ماہنامہ
جہدِ حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

HRCP

Registered No. CPL-13

جلد نمبر 34... شمارہ نمبر 07... جولائی 2026

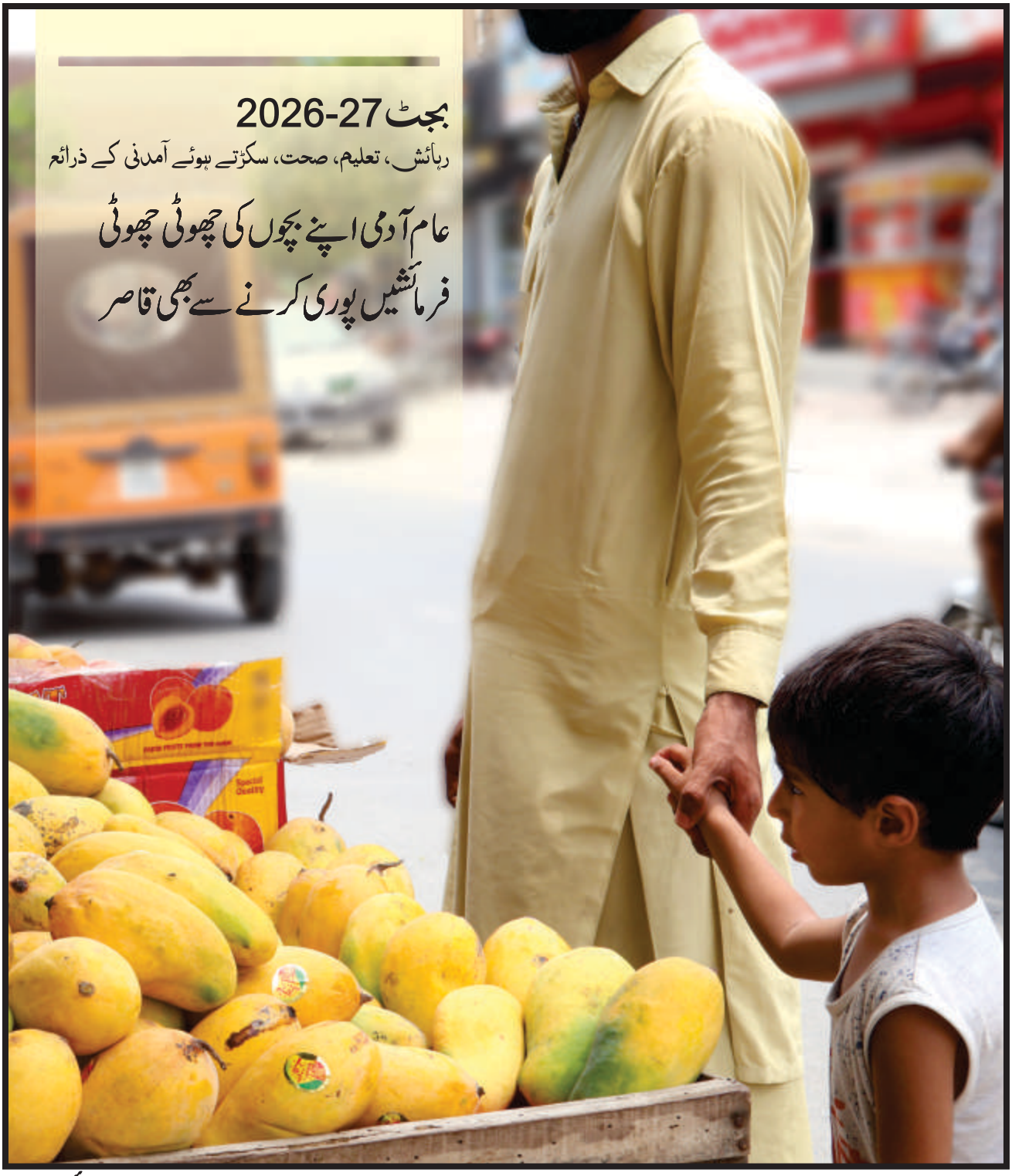

بجٹ 2026-27

رہائش، تعلیم، صحت، سکڑتے ہوئے آمدنی کے ذرائع

عام آدمی اپنے بچوں کی چھوٹی چھوٹی فرمائشیں پوری کرنے سے بھی قاصر

ایچ آر سی پی شکایات سیل

ایچ آر سی پی شکایات سیل نے 1985ء میں کام شروع کیا جب کسی بھی سرکاری یا غیر سرکاری ادارے میں ایسا مخصوص سیل موجود نہیں تھا جو مظلوم لوگوں کی شکایات وصول کرتا ہو۔ اس وقت سے، ایچ آر سی پی پاکستان بھر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے ازالے کے لئے جدوجہد میں مصروف ہے۔

ایچ آر سی پی شکایت سیل کو ماہانہ سینکڑوں شکایات موصول ہوتی ہیں۔ ہم جو نہی خواتین کے خلاف تشدد، محکمہ جاتی مسائل، اقلیتوں کے حقوق، جبری شادیوں، جبری تبدیلی مذہب، جبری گمشدگیوں، سائبر جرائم اور دیگر تمام انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق شکایات وصول کرتے ہیں اور اس پر ایکشن لیتے ہیں۔ تاہم، مالی معاونت، سیاسی پناہ، جائیداد کے تنازعات یا ذاتی تنازعات سے متعلق شکایات ہمارے دائرہ کار سے باہر ہیں۔

طریقہ کار

جیسے ہی ہمیں شکایات موصول ہوتی ہیں ہم متعلقہ حکام سے رابطہ کرتے ہیں اور کیس پر کارروائی کا آغاز کر دیتے ہیں۔ ہمارا بہت سے سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کے ساتھ ایک براہ راست ریفرل نظام موجود ہے جس کا مقصد شکایت کے فوری ازالے کو یقینی بنانا ہے۔

ہم سے رابطہ کریں

اگر آپ نے کوئی شکایت درج کرانی ہے تو ہمیں کال کر سکتے ہیں، واٹس ایپ کر سکتے ہیں، ای میل بھیج سکتے ہیں یا خط ارسال کر سکتے ہیں۔
آپ اپنے قریبی ایچ آر سی پی شکایات ڈیسک میں بذات خود جا کر شکایت رجسٹر کروا سکتے ہیں اور کمپلینٹ آفیسر سے بذات خود بات کر سکتے ہیں۔

لاہور

ایوان جمہور۔ 107 ٹیپو بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور 54600
فون : +92 42 3586 4994, 3583 8341, 3586 5969
ای۔میل : hrcp@hrcp-web.org
ویب سائیٹ : www.hrcp-web.org
مرکز شکایات سیل
فون : +92 042 3584 5969
موبائل : + 92 0333 200 6800
ای میل: complaints@hrcp-web.org

کراچی

یونٹ نمبر 08، فلور 1
سٹیٹ لائف بلڈنگ نمبر 5 (الاکو ہاؤس)
عبداللہ ہارون روڈ
صدر، کراچی۔ 74400
فون : +92 21 3563 7131, 3563 7132
شکایات سیل (موبائل) : +92 315 111 6287
ای میل : karachi@hrcp-web.org

پشاور

43، گلشن اقبال لین
(نزد ارباب روڈ سٹاپ)
یونیورسٹی روڈ، پشاور
فون : +92 091 584 4253
شکایات سیل (موبائل) : +92 0318 950 0640
ای میل : peshawar@hrcp-web.org

اسلام آباد

آفس B-1، فلور 2
بلاک ڈی-12، (اوپر فیصل بینک)
جی 8، مرکز، اسلام آباد
فون : +92 51 835 1127
شکایات سیل (موبائل) : +92 333 569 4773
ای میل : islamabad@hrcp-web.org

کوئٹہ

فلیٹ نمبر C-6
کبیر بلڈنگ
ایم۔اے جناح روڈ، کوئٹہ
فون : +92 81 282 7869
شکایات سیل (موبائل) +92 306 294 6125
ای میل : quetta@hrcp-web.org

حیدرآباد

306- فائزہ آرکیڈ، (لوفٹ اینڈ میزانائن فلور)
نزد مسجد حاجی شاہ بخاری درگاہ
صدر کنٹونمنٹ، حیدرآباد
فون : +92 22 278 3688, 720 770
فیکس : +92 22 278 4645
شکایات سیل (موبائل) : +92 310 339 2222
ای میل : hyderabad@hrcp-web.org

ملتان

2511/5A ابدالی کالونی
نزد بریٹین سکول
ملتان
فون : +92 61 451 7217
شکایات سیل (موبائل) : +92 331 665 5529
ای میل : multan@hrcp-web.org

گلگت

آفس نمبر 8-9، رانگ ئیل پلازہ
جماعت خانہ روڈ، ذوالفقار آباد کالونی،
جتیال، گلگت
موبائل : +92 0344 547 5553
شکایات سیل (موبائل) : +92 355 454 1088
ای میل : gilgit@hrcp-web.org

تربت/مکران

پرواز ہاؤس،
بالمقابل علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی
پسنی روڈ، تربت، کیچ
فون : +92 852 413 365
شکایات سیل (موبائل) : +92 323 234 2406
ای میل : turbat@hrcp-web.org

فہرست

وفاقی بجٹ 27-2026 میں مزدوروں اور سفید پوش طبقے کو نظر انداز کیا گیا ہے 03

انتخابات 2026، دیامر میں دیگر اضلاع سے بھیجی گئی خواتین پولنگ اسٹاف کی شکایات 04

سفید کوٹ!
بلوچستان کی بیٹی کے نام 05

انسان یا سوالیہ نشان؟ ٹرانس جینڈر افراد اور پاکستانی معاشرے کی نامکمل قبولیت 06

پاکستان میں جماعت احمدیہ کی صورتحال 07

ماحولیاتی تبدیلی ہمیں یہ پیغام دے رہی ہے کہ ترقی کا راستہ ایسا نہیں ہونا چاہیے 08

میں محفوظ کیوں نہیں ہوں؟ 09

تشدد کے شکار افراد سے اظہارِ یکجہتی کا عالمی دن 10

قانون: جنید حفیظ کے نام کھلا خط 11

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کا وزیراعظم پاکستان کے نام کھلا خط 12

قلم آزاد 13

صنفی آزادی، بدلتا فیشن،
اور پاکستان کی منجمد سماجی ذہنیت 14

بچپن کو مشقت نہ بنایا جائے 15

لاہور میں گرمی کی شدت اور درختوں کی اہمیت 16

وفاقی بجٹ 27-2026 میں مزدوروں اور سفید پوش طبقے کو نظر انداز کیا گیا ہے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کے زیر اہتمام آج منعقد ہونے والے ایک سیمینار میں سول سوسائٹی کے نمائندوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ سال 27-2026 کے 'کفایت شعاری' پر مبنی بجٹ نے کم آمدنی والے خاندانوں کی فلاح و بہبود، مزدوروں کے حقوق کے تحفظ اور صنفی مساوات کو منظم طریقے سے نقصان پہنچایا ہے۔

سیمینار کی نظامت کرتے ہوئے ماہرِ معاشیات ڈاکٹر فہد علی نے کہا کہ تعلیم، صحت، سماجی تحفظ اور غذائیت پر عوامی اخراجات میں کمی موجودہ عدم مساوات کو مزید بڑھا دے گی۔ ان کا مزید کہنا ہے کہ گھریلو سطح پر بدلتے ہوئے اخراجات کے رجحانات اور خوراک کا گرتا ہوا معیار بڑھتی ہوئی معاشی بدحالی کا عکاس ہے۔ مزید برآں، ایک ایسے وقت میں جب تخمینہ شدہ کفافی اجرت (لیونگ ویج) قانونی طور پر طے شدہ کم از کم اجرت سے کہیں زیادہ ہے، ایک مناسب معیارِ زندگی کو یقینی بنانے کے لیے مزدوروں کے حقوق کے تحفظ پر سختی سے عمل درآمد ناگزیر ہے۔

ماہرِ معاشیات ڈاکٹر ہادیہ مجید نے کہا کہ بجٹ میں صنف سے متعلق کیے گئے وعدے محض لفظی دکھائی دیتے ہیں، جبکہ تعلیم، صحت اور تحفظ کی ذمہ داری بڑی چالاکی کے ساتھ صوبوں پر ڈال دی گئی ہے جو پہلے ہی مالی طور پر کمزور ہیں۔ اگرچہ بی آئی ایس پی کے تحت سماجی تحفظ کے فنڈز میں اضافہ کیا گیا ہے، لیکن یہ رقوم لوگوں کی بنیادی غذائی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کافی نہیں ہیں۔ رسمی روزگار میں خواتین کی کم شرکت کے پیشِ نظر، ٹیکس میں چھوٹ کے اعلانات سے بھی زیادہ تر خواتین کو فائدہ پہنچنے کا امکان نہیں ہے۔ زچہ و بچہ کی صحت اور بقا اور لڑکیوں کی تعلیم کے مسلسل ناقص نتائج کے باوجود، یہ بجٹ خواتین کی معاشی شرکت کی راہ میں حائل انتظامی رکاوٹوں کو دور کرنے میں ناکام رہا ہے۔

مزدور رہنما اور آل پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن (اے پی ٹی یو ایف) کی سیکرٹری جنرل روبینہ جمیل نے بجٹ پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ اس میں ایسے اخراجات کو ترجیح دی گئی ہے جن کا محنت کش طبقے کی ضروریات سے کوئی تعلق نہیں، جبکہ معاشی عدم تحفظ کا شکار کمزور ترین طبقات کو برائے نام تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مزدوروں کے نمائندوں سے کسی بامعنی مشاورت کے بغیر تیار کیے گئے اس بجٹ میں کنٹریکٹ ملازمین، گھریلو اور گھروں پر کام کرنے والے مزدوروں، خطرناک شعبوں سے وابستہ کارکنوں، گارمنٹس اور زرعی مزدوروں اور پنشنرز کے لیے مطلوبہ اقدامات نہیں کیے گئے۔ انہوں نے مزید کہا کہ معاشی ردوبدل کا بوجھ غیر متناسب طور پر ان لوگوں پر ڈالا گیا ہے جو اسے برداشت کرنے کی سکت نہیں رکھتے، جس سے اس تاثر کو تقویت ملتی ہے کہ بجٹ مزدوروں کے بجائے معاشی اشرافیہ کو فائدہ پہنچائے گا۔

ماہرِ معاشیات ڈاکٹر اقدس افضل کے مطابق، ترسیلاتِ زر میں اضافے اور بڑھتی ہوئی غربت کے باوجود، یہ بجٹ ایک ایسی معیشت کی عکاسی کرتا ہے جس میں بنیادی ڈھانچے میں کوئی اصلاحات نہیں کی گئیں۔ انہوں نے کہا کہ بالواسطہ ٹیکسوں پر مسلسل انحصار، ٹیکس نیٹ بڑھانے کے محدود اقدامات اور بڑھتی ہوئی مشکلات کے باوجود مالیاتی استحکام کی پالیسی نے کم آمدنی والے خاندانوں اور تنخواہ دار طبقے پر غیر متناسب بوجھ ڈالا ہے۔ اسی کے ساتھ، سماجی تحفظ کے اقدامات ناکافی اور غیر مساوی ہیں، جس کے خط غربت سے نیچے زندگی گزارنے والے خاندانوں پر سنگین اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔

سول سوسائٹی کی تنظیموں اور نیٹ ورکس جیسے کہ ساؤتھ ایشیا پارٹنرشپ – پاکستان، سیمرغ، ویمنز ایکشن فورم، عورت فاؤنڈیشن، اور جوائنٹ ایکشن کمیٹی کے ساتھ ساتھ متعدد لیبر فیڈریشنز اور ٹریڈ یونینز سے تعلق رکھنے والے شرکاء نے اتفاق کیا کہ حکومت کی جانب سے جس معاشی استحکام کی تشہیر کی جا رہی ہے، وہ شہریوں کی بقا اور سماجی انصاف کی قیمت پر حاصل کیا جا رہا ہے۔

[پریس ریلیز۔ اسلام آباد۔ 23 جون 2025]

انتخابات 2026، دیامر میں دیگر اضلاع سے بھیجی گئی خواتین پولنگ اسٹاف کی شکایات

اسرارالدین اسرار

دیامر گلگت بلتستان کا وہ ضلع ہے جہاں خواتین کی تعلیمی شرح پانچ فیصد سے بھی کم بتائی جاتی ہے۔ یہ صورتِ حال صرف تعلیمی پسماندگی تک محدود نہیں بلکہ خواتین کے سماجی اور سیاسی کردار پر بھی گہرے اثرات ڈالتی ہے۔ ماضی میں اس علاقے میں خواتین کے حقِ رائے دہی کا مسئلہ بھی انتہائی پیچیدہ رہا ہے۔ بعض علاقوں میں پولنگ عملے کی عدم دستیابی کے باعث امیدوار اور مقامی جرگے انتخابات کے دن ووٹرز لسٹوں کے مطابق ووٹوں کی غیر رسمی تقسیم پر اتفاق کر لیتے تھے، جس سے عملی طور پر انتخابی عمل متاثر یا غیر فعال ہو جاتا تھا۔

مزید یہ کہ کئی علاقوں میں یہ سوچ بھی موجود رہی ہے کہ خواتین کا ووٹ ڈالنے کے لیے گھر سے نکلنا مقامی روایات کے خلاف ہے یا اسے سماجی و مذہبی طور پر درست نہیں سمجھا جاتا۔ اسی مزاحمت اور دباؤ کے باعث خواتین کی انتخابی عمل میں شمولیت ہمیشہ ایک مشکل اور حساس معاملہ رہا ہے۔ 2015 کے بعد جب سول سوسائٹی نے اس صورتحال کی نشاندہی کی تو گلگت، استور اور دیگر اضلاع سے خواتین پولنگ اسٹاف کی دیامر کے مختلف حلقوں میں تعیناتی کا سلسلہ شروع کیا گیا تاکہ خواتین ووٹرز کے حقِ رائے دہی کو عملی طور پر یقینی بنایا جا سکے۔

تاہم یہ انتظام بھی ہر انتخابات میں مشکلات اور تنازعات سے خالی نہیں رہا۔ مختلف مواقع پر تعینات ہونے والی خواتین اہلکاروں نے اپنے تجربات کو دباؤ، عدم تحفظ اور انتظامی بے ترتیبی سے بھرپور قرار دیا ہے۔ بعض اہلکاروں کے مطابق انہیں ڈیوٹی سے انکار کی صورت میں معطلی کی دھمکیاں دی گئیں، جبکہ اضافی الاؤنس اور سہولیات کے وعدوں کے ساتھ انہیں دور دراز اور مشکل علاقوں میں تعینات کیا گیا۔ بعد ازاں متعدد مرتبہ یہ وعدے، خصوصاً ٹی اے ڈی اے اور دیگر مراعات، مکمل طور پر پورے نہیں کیے گئے۔

7 جون 2026 کے گلگت بلتستان اسمبلی انتخابات کے دوران بھی یہی صورتحال سامنے آئی، جب دیگر اضلاع سے 58 خواتین انتخابی اہلکاروں کو حلقہ جی بی اے 15 دیامر میں تعینات کیا گیا۔ ان میں سے صرف 30 اہلکاروں نے عملی طور پر خدمات انجام دیں۔ یہ وہ خواتین پولنگ اسٹاف تھیں جو گلگت شہر کے تین کالجز سے بھیجی گئیں تھیں، جبکہ باقی کو مختلف وجوہات کے باعث تعیناتی سے روک دیا گیا یا ان کی پوسٹنگ تبدیل کر دی گئی۔ اگر یہی تناسب دیامر کے دیگر حلقوں میں بھی رہا ہو تو مجموعی طور پر یہ تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے، جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ مسئلہ کسی ایک حلقے تک محدود نہیں بلکہ ایک وسیع انتظامی ناکامی ہے۔

خواتین اہلکاروں کے مطابق سب سے مشکل تجربہ طویل وقت تک پولنگ اسٹیشنز میں محصور رہنا تھا۔ بعض مقامات پر انہیں رات گئے تک پولنگ اسٹیشنز میں ہی رہنا پڑا، جہاں بنیادی سہولیات اور محفوظ ماحول دونوں ناپید تھے۔ بعض مقامات پر کشیدگی کی وجہ سے وقت سے پہلے پولنگ بند کر دی گئی۔ کئی پولنگ اسٹیشنز میں واش روم جیسی بنیادی سہولت موجود نہیں تھی، جبکہ کئی جگہوں پر کھانے پینے اور مناسب بیٹھنے کے انتظامات بھی انتہائی ناقص تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ آمد و رفت کے محدود راستوں کے باعث بعض پولنگ اسٹیشنز پر ووٹرز کے درمیان شدید رش اور بدنظمی پیدا ہوئی، حتیٰ کہ لوگ گتھم گتھا ہونے کی صورتحال تک پہنچ گئے۔

> **سیکیورٹی کے حوالے سے بھی متعدد شکایات سامنے آئیں۔ بعض اہلکاروں کے مطابق انہیں دھمکیوں، دباؤ اور ہراسانی جیسے حالات کا سامنا کرنا پڑا، جس نے ان کے لیے کام کا ماحول غیر محفوظ بنا دیا۔ بعض مقامات پر سیکیورٹی اہلکاروں کی کمی یا بروقت رسپانس نہ دینے کی شکایات بھی سامنے آئیں۔**

مزید یہ کہ ابتدائی مرحلے میں بعض اہلکاروں کو رات کے وقت خود آ کر بیلٹ پیپرز اور انتخابی مواد وصول کرنے کی ہدایت دی گئی، جس نے ان کے سیکیورٹی خدشات میں مزید اضافہ کر دیا۔

اسی طرح ناقص ٹرانسپورٹ، غیر منظم انتظامات اور موبائل نیٹ ورک کی کمزوری نے ان کے لیے مشکلات کو مزید بڑھا دیا۔ کئی اہلکاروں کو طویل انتظار، دشوار گزار سفر اور رابطے کی شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

سیکیورٹی کے حوالے سے بھی متعدد شکایات سامنے آئیں۔ بعض اہلکاروں کے مطابق انہیں دھمکیوں، دباؤ اور ہراسانی جیسے حالات کا سامنا کرنا پڑا، جس نے ان کے لیے کام کا ماحول غیر محفوظ بنا دیا۔ بعض مقامات پر سیکیورٹی اہلکاروں کی کمی یا بروقت رسپانس نہ دینے کی شکایات بھی سامنے آئیں۔

رہائش، خوراک اور دیگر بنیادی سہولیات کی کمی نے صورتحال کو مزید سنگین بنا دیا۔ طویل ڈیوٹی اوقات اور غیر مناسب انتظامات نے خواتین اہلکاروں کی جسمانی اور ذہنی تھکن میں اضافہ کیا۔

مالی مراعات اور ٹی اے ڈی اے کی عدم ادائیگی بھی ایک بڑا مسئلہ رہی۔ اہلکاروں کے مطابق اعلان کردہ اضافی الاؤنسز اور مراعات تاحال مکمل طور پر ادا نہیں کی گئیں، جس سے ان کا ادارہ جاتی اعتماد بھی متاثر ہوا۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ایک حلقے میں 58 میں سے صرف 30 خواتین اہلکاروں کی عملی تعیناتی اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ نظام میں شفافیت اور میرٹ کے حوالے سے بھی سوالات موجود ہیں۔

یہ تمام تجربات اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ موجودہ انتظامی ڈھانچہ خواتین انتخابی عملے کے تحفظ، وقار اور سہولت کے لیے ناکافی ہے۔ ان شکایات اور مسائل کے باوجود مؤثر شنوائی اور اصلاحی اقدامات کا نہ ہونا صورتحال کو مزید تشویشناک بناتا ہے۔

یہ پورا معاملہ اس بات کا متقاضی ہے کہ اس کی مکمل، آزاد اور شفاف تحقیقات کی جائیں، تمام ذمہ داران کا تعین کیا جائے اور آئندہ کے لیے واضح، سخت اور قابلِ عمل اقدامات کیے جائیں۔ ان میں بہتر سیکیورٹی انتظامات، شفاف تعیناتی کا نظام، بروقت مالی ادائیگیاں، معیاری رہائش و ٹرانسپورٹ اور خواتین عملے کے تحفظ و وقار کی یقینی ضمانت شامل ہونی چاہیے۔

اہم بات یہ ہے کہ یہ وہی خواتین ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو خطرے میں ڈال کر مشکل علاقوں میں جا کر وہاں کی مقامی خواتین کے ووٹ کے حق کو یقینی بنانے میں کردار ادا کیا۔ الیکشن ایکٹ کے تحت جہاں دس فیصد سے کم خواتین کے ووٹ کی شرح ہو وہاں الیکشن کالعدم قرار دیا جاتا ہے۔ اگر یہ خواتین وہاں نہ جاتیں تو وہاں الیکشن ہی ممکن نہ ہوتا۔ اس لیے الیکشن کمیشن، انتظامیہ، حکومت، تمام سیاسی جماعتیں اور ان کے امیدوار ان بہادر خواتین سے معذرت کریں، بدانتظامی کے ذمہ داروں کا تعین کر کے ان کے خلاف کارروائی کریں، متاثرہ خواتین کو معاوضہ ادا کر کے تلخیوں کا ازالہ کریں اور انہیں ایوارڈز سے نواز کر ان کی خدمات کا اعتراف کریں تاکہ آئندہ خواتین مشکل مقامات پر خدمات سرانجام دینے میں جھجک محسوس نہ کریں۔

اگر اس صورتحال کا سنجیدگی سے نوٹس نہ لیا گیا تو نہ صرف خواتین اہلکاروں کی حوصلہ شکنی ہوگی بلکہ مستقبل میں ان کی انتخابی عمل میں شمولیت مزید متاثر ہوگی، جو جمہوری نظام کی شفافیت اور ساکھ کے لیے ایک سنگین خطرہ ہے۔

سفید کوٹ!

بلوچستان کی بیٹی کے نام

نجمہ منصور

تاریکی نے چلتن کی اوٹ سے تانبا پگھلایا
اور چاندنی جیسے معصوم چہرے پر انڈیل دیا
وہ چہرہ ... جو کسی سنگسار ہوتے
خواب کی آخری مسکراہٹ تھا
اب ایک مسخ شدہ چہرے کا زندہ نوحہ ہے
مگر سنو!
یہ حملہ صرف ایک وجود پر نہیں ہوا
یہ حملہ 'بشام' کے جھونکے پر ہوا ہے
یہ وار 'شال' کی سفید چادر پر ہوا ہے
جسے دیمک زدہ سوچ نے داغدار کرنا چاہا
شاید انہوں نے سوچا تھا کہ،
تیزاب کی سرخ آنچ سے
وہ اس 'سیاہ گوات' کو جلا دیں گے
جو علم کی جستجو میں نکلتی ہے
انہوں نے یہ بھی چاہا تھا کہ
'مکران' کے ساحل پر
صدف کی آنکھیں
ہمیشہ کے لیے موند دی جائیں
مگر بلوچ مٹی گواہ ہے!
یہاں کتاب تک پہنچنے کا راستہ
'بولان' کے دروں سے بھی زیادہ تنگ ہے
جہاں فرسودہ روایت کے خاردار تار
اور تعصب کے تپتے ہوئے صحرا
پاؤں کے چھالوں کا امتحان لیتے ہیں
جب ایک 'باخزی' اپنے سر پر
علم کا تاج سجاتی ہے
تو وہ صدیوں پرانے اندھیروں کے خلاف
ایک خاموش، سنگین بغاوت ہوتی ہے
لیکن جب اس سفید کوٹ پر
جو مسیحائی کا استعارہ ہے
نفرت کا تیزاب گرتا ہے...
تو 'تفتان' کا جگر پھٹتا ہے
اور معاشرے کے ضمیر کا اوندھا کاسہ
سڑک پر آن گرتا ہے
ایک سوال ... جو سنگلاخ پہاڑوں کی گونج میں دفن ہے
آخر ایک عورت کا سانس لینا
اس کا اپنے پیروں پر کھڑے ہونا
اس کے ہاتھ میں قلم کا دھڑکنا
ان تاریک ذہنوں کے لیے موت کا پروانہ
کیوں بن جاتا ہے؟
سنو، اے شب پرستو!
یہ تیزاب چہرہ تو مسخ کر سکتا ہے
مگر 'مہناز' کے حوصلے کو کیسے پگھلاؤ گے؟
اس 'ہانی' کی آواز کو کیسے دباؤ گے؟
جو مظلومیت کا مرثیہ نہیں
کوہِ سلیمان کی چوٹی پر کھڑی
مزاحمت کا گیت گاتی ہے؟
تم نے صرف ایک ماہ نور کے چہرے کا نور چھینا
مگر اس خواب کی بینائی کیسے چھینو گے
جو 'گوادر' کے نیلے پانیوں سے لے کر
'کوئٹہ' کی برف باری تک
ہزاروں بچیوں کی آنکھوں
میں جگنو بن کر مچل رہی ہے؟
جان لو۔۔۔
علم نور ہے اور
نور پر پھینکا گیا یہ تیزاب
تمہاری اپنی تاریکی کا چہرہ ننگا کر چکا ہے
پہاڑ گواہ ہیں...!!
سفید کوٹ کی حرمت
جلے ہوئے چہرے سے زیادہ چمکدار ہو کر ابھرے گی
اور علم کا یہ 'مچ' اس وقت تک جلتا رہے گا
جب تک تمہاری فرسودہ روایات
کی آخری لکڑی راکھ نہیں ہو جاتی!!!

حاشیہ:
بشام: ٹھنڈی ہوا
سیاہ گوات: سیاہ ہوا
باخزی، مہناز، ہانی: کلاسیکی
داستانوں کی بلوچ بہادر عورتیں
مچ: بلوچی الاؤ

غیرت کے نام پر دوہرا قتل

عمرکوٹ 4 جون کو ضلع عمرکوٹ کی تحصیل سامارو کے گاؤں حاجی محمد رمضان شر میں امید علی ولد محمد بشیر شر نے کاروکاری کے الزام میں اپنی بیوی پٹھانی شر اور اپنے سگے بھائی 22 سالا شہباز عرف شعبان شر کو گھر کے اندر گلہ دبا کر بیدردی سے قتل کر دیا۔ ملزم نے قتل کے بعد مقتول کی نعش نہر میں پھینک دی۔ سامارو پولیس 'غیرت' کے نام پر دوہرے قتل کے واقعے کی خفیہ اطلاع ملنے پر گوٹھ حاجی محمد رمضان شر پہنچی۔ وہاں سے مقتول عورت کی نعش برآمد کی جبکہ نوجوان شہباز کی نعش قریب واقعہ مٹھڑاؤ نہر سے برآمد ہوئی۔ سامارو تھانے کی پولیس نے دونوں مقتولین کی نعشیں اپنی تحویل میں تھانے منتقل کیں۔ بعد میں مقتول نوجوان کی نعش تعلقہ ہسپتال سامارو اور مقتول عورت کی نعش تعلقہ ہسپتال کنری منتقل کیں۔ دونوں نعشیں پوسٹ مارٹم کے بعد ورثا کے حوالے کی گئیں۔ پولیس نے سرکاری مدعیت میں صالح بھنبھرو پولیس پوسٹ انچارج اے ایس آئی عبدالغفار ساند کی درخواست پر امید علی ولد محمد بشیر شر کے خلاف دوہرے قتل کا مقدمہ درج کر کے ملزم کو گرفتار کر کے عدالت میں پیش کر کے ریمانڈ حاصل کر لیا ہے۔ پولیس کے مطابق 'غیرت' کے نام پر دوہرے قتل کی تفتیش کی جا رہی ہے۔

(نامہ نگار)

انسان یا سوالیہ نشان؟ ٹرانس جینڈر افراد اور پاکستانی معاشرے کی نامکمل قبولیت

ڈاکٹر علی زبیر

پاکستانی معاشرہ خود کو مذہبی، اخلاقی اور خاندانی اقدار کا محافظ سمجھتا ہے۔ ہم عزتِ انسانیت، ہمدردی اور مساوات کے بلند دعوے کرتے ہیں، مگر جب بات ٹرانس جینڈر، انٹرسیکس اور دیگر صنفی شناخت رکھنے والے افراد کی آتی ہے تو یہی معاشرہ اکثر اپنی اصل شکل میں سامنے آ جاتا ہے۔ یہ وہ طبقہ ہے جسے نہ صرف امتیازی سلوک کا سامنا کرنا پڑتا ہے بلکہ اسے مسلسل ایک "سوالیہ نشان" بنا کر رکھا جاتا ہے۔ ان کی شناخت، ان کی انسانیت اور ان کے وجود کو بار بار کٹہرے میں کھڑا کیا جاتا ہے۔

پاکستان میں ٹرانس جینڈر افراد کے ساتھ مسئلہ صرف نفرت یا عدم قبولیت کا نہیں بلکہ "دوسرا" بنا دیے جانے کا ہے۔ سماجیات کی زبان میں اسے "Otherisation" کہا جاتا ہے، یعنی کسی فرد یا گروہ کو اکثریت سے مختلف، کم تر یا غیر معمولی قرار دے کر اس کی انسانیت کو ثانوی حیثیت دے دینا۔ یہی عمل ٹرانس جینڈر افراد کے ساتھ مسلسل روا رکھا جاتا ہے۔ انہیں ایک انسان، شہری، طالب علم، استاد، ملازم، ڈاکٹر یا انجینئر کے طور پر نہیں دیکھا جاتا بلکہ سب سے پہلے ان کی صنفی شناخت کو موضوع بنایا جاتا ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں کسی ٹرانس جینڈر یا انٹرسیکس فرد سے ملتے ہی لوگوں کے ذہن میں پہلا سوال اس کی قابلیت، تعلیم یا شخصیت کے بارے میں نہیں آتا بلکہ اس کے جسم، جنسی خصوصیات اور پیدائشی ساخت کے بارے میں آتا ہے۔ گویا ایک انسان کی پوری شناخت اس کے جسم تک محدود کر دی جاتی ہے۔ یہ رویہ نہ صرف غیر اخلاقی ہے بلکہ انسانی وقار کے بنیادی اصولوں کے بھی منافی ہے۔

انٹرسیکس افراد کی صورتحال بھی مختلف نہیں۔ انٹرسیکس ہونا ایک حیاتیاتی حقیقت ہے جس میں پیدائش کے وقت جسمانی یا کروموسومی خصوصیات روایتی مرد یا عورت کی تعریف میں مکمل طور پر فٹ نہیں بیٹھتیں۔ مگر پاکستانی معاشرہ ایسے افراد کو بھی تجسس، افواہوں اور غیر ضروری سوالات کا نشانہ بناتا ہے۔ انہیں مکمل قبولیت دینے کے بجائے ان کے وجود کو ایک معمّہ بنا دیا جاتا ہے جسے لوگ اپنی مرضی سے حل کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

اس تمام صورتحال میں پاکستانی میڈیا کا کردار بھی تنقید سے بالاتر نہیں۔ میڈیا نے بہت کم مواقع پر اس موضوع پر سنجیدہ اور سائنسی مکالمہ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اس کے برعکس، ریٹنگ اور سنسنی خیزی کی دوڑ میں اکثر ٹرانس جینڈر افراد کو مذاق، تفریح یا تنازعے کا موضوع بنا کر پیش کیا گیا۔ اگر معاشرے کو کسی پیچیدہ طبی مسئلے کے بارے میں آگاہ کرنا ہو تو ہم ماہر ڈاکٹرز کو بلاتے ہیں، محققین سے بات کرتے ہیں اور سائنسی شواہد کا سہارا لیتے ہیں۔ لیکن صنفی شناخت جیسے حساس اور پیچیدہ موضوع پر اکثر ایسے مباحث دیکھنے کو ملتے ہیں جن میں ماہرینِ نفسیات، ماہرینِ سماجیات، طبی ماہرین یا انسانی حقوق کے ماہرین کی جگہ غیر متعلقہ آراء کو فوقیت دی جاتی ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے ذیابیطس کی سائنسی تفہیم کے لیے ماہر ڈاکٹر کے بجائے صرف مریض کو بٹھا دیا جائے۔ متاثرہ فرد کا تجربہ اپنی جگہ اہم ہے، لیکن کسی موضوع کی جامع تفہیم کے لیے متعلقہ شعبے کے ماہرین کی موجودگی ناگزیر ہوتی ہے۔ ٹرانس خواتین (Trans Women) پاکستانی معاشرے میں شدید تعصب کا سامنا کرتی ہیں۔ انہیں اکثر عورتوں کے دائرے سے خارج کر دیا جاتا ہے اور ان کی نسوانیت کو مسلسل چیلنج کیا جاتا ہے۔ ان کی آواز، لباس، چال ڈھال اور ظاہری شکل وصورت کو تنقید اور تمسخر کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ انہیں اکثر اس حق سے بھی محروم کیا جاتا ہے کہ وہ خود اپنی شناخت کا تعین کر سکیں۔

> گویا ایک انسان کی پوری شناخت اس کے جسم تک محدود کر دی جاتی ہے۔ یہ رویہ نہ صرف غیر اخلاقی ہے بلکہ انسانی وقار کے بنیادی اصولوں کے بھی منافی ہے۔

دوسری طرف ٹرانس مرد (Trans Men) ایک مختلف قسم کی محرومی کا شکار ہیں۔ ان کے وجود کو اکثر نظر انداز کر دیا جاتا ہے یا سرے سے تسلیم ہی نہیں کیا جاتا۔ پاکستانی معاشرے میں بہت سے لوگ اس حقیقت سے ہی واقف نہیں کہ ٹرانس مرد بھی موجود ہوتے ہیں اور ان کی اپنی مخصوص مشکلات اور جدوجہد ہوتی ہے۔ نتیجتاً ان کی کہانیاں، مسائل اور تجربات سماجی مباحث سے تقریباً غائب رہتے ہیں۔

تعلیمی ادارے، جو شعور اور تربیت کے مراکز ہونے چاہئیں، اکثر ٹرانس جینڈر افراد کے لیے عدم تحفظ کی علامت بن جاتے ہیں۔ اسکولوں میں ایسے بچوں کو "مختلف" قرار دے کر ان کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ انہیں غنڈہ گردی، ذہنی تشدد اور سماجی تنہائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھی صورتحال بہت مختلف نہیں۔ کلاس رومز، ہاسٹلز، کھیلوں کی سرگرمیوں اور سماجی حلقوں میں انہیں مسلسل اپنی شناخت کا دفاع کرنا پڑتا ہے۔

ملازمت کی دنیا میں بھی حالات حوصلہ افزا نہیں۔ سرکاری دفاتر ہوں یا نجی ادارے، بہت سے ٹرانس جینڈر افراد کو صرف ان کی صنفی شناخت کی بنیاد پر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ بھرتی کے مراحل سے لے کر ترقی کے مواقع تک، تعصب مختلف شکلوں میں سامنے آتا ہے۔ بعض اوقات تو افراد کو اپنی پیشہ ورانہ صلاحیتوں سے زیادہ اپنی شناخت کی وضاحت میں وقت صرف کرنا پڑتا ہے۔ یہ صورتحال نہ صرف معاشی محرومی پیدا کرتی ہے بلکہ ذہنی صحت پر بھی گہرے منفی اثرات مرتب کرتی ہے۔

ایک اور اہم غلط فہمی جسے دور کرنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ہر ٹرانس جینڈر فرد خواجہ سرا نہیں ہوتا۔ "خواجہ سرا" جنوبی ایشیا کی ایک مخصوص ثقافتی اور سماجی شناخت ہے جس کی اپنی تاریخ، روایات اور سماجی ڈھانچہ موجود ہے۔ جبکہ "ٹرانس جینڈر" ایک وسیع اصطلاح ہے جو مختلف صنفی شناختوں کا احاطہ کرتی ہے۔ تمام ٹرانس جینڈر افراد کو خواجہ سرا سمجھنا نہ صرف علمی طور پر غلط ہے بلکہ انفرادی شناختوں کے احترام کے بھی منافی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں بہت سے ٹرانس جینڈر اور انٹرسیکس افراد روزانہ کی بنیاد پر امتیاز، تحقیر اور عدم تحفظ کا سامنا کرتے ہیں۔ انہیں نہ صرف قانونی اور ادارہ جاتی رکاوٹوں سے گزرنا پڑتا ہے بلکہ سماجی سطح پر بھی بار بار اپنی انسانیت ثابت کرنا پڑتی ہے۔ ان سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ مسلسل اپنے وجود کا جواز پیش کریں، حالانکہ کسی بھی انسان کی عزت اور بنیادی حقوق اس کی صنفی شناخت، جسمانی ساخت یا پیدائشی خصوصیات سے مشروط نہیں ہونے چاہئیں۔

کسی بھی مہذب معاشرے کا معیار یہ نہیں ہوتا کہ وہ اکثریت کے ساتھ کیسا سلوک کرتا ہے، بلکہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے سب سے کمزور، سب سے مختلف اور سب سے زیادہ نظر انداز کیے گئے افراد کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتا ہے۔ جب تک ٹرانس جینڈر اور انٹرسیکس افراد کو مکمل انسان سمجھ کر عزت، برابری، تحفظ اور مواقع فراہم نہیں کیے جاتے، تب تک مساوات، انصاف اور انسانی حقوق کے تمام دعوے ادھورے رہیں گے۔

آخر کار سوال صرف ٹرانس جینڈر افراد کا نہیں، بلکہ ہماری اجتماعی انسانیت کا ہے۔ کیا ہم ایک ایسے معاشرے کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں جہاں ہر فرد کو عزت اور وقار کے ساتھ جینے کا حق حاصل ہو، یا پھر ہم کچھ انسانوں کو ہمیشہ ایک "سوالیہ نشان" بنا کر رکھنے پر اصرار کرتے رہیں گے؟

پاکستان میں جماعت احمدیہ کی صورتحال

قومی کمیشن برائے انسانی حقوق کی رپورٹ کا جائزہ

طارق شیلے

تعارف

قومی کمیشن برائے انسانی حقوق پاکستان (NCHR) نے مارچ 2026ء میں پاکستان میں احمدی برادری کی صورت حال کے عنوان سے ایک جامع اور تفصیلی رپورٹ شائع کی۔ 111 صفحات پر مشتمل یہ دستاویز ستمبر 2023ء سے دسمبر 2025ء تک پاکستان میں جماعت احمدیہ کو درپیش سماجی، قانونی اور مذہبی نوعیت کے مسائل، مختلف واقعات اور ریاستی ردِعمل کا جائزہ پیش کرتی ہے۔ انسانی حقوق کے حوالے سے یہ اہم رپورٹس میں شمار کی جاسکتی ہے۔

عمومی پس منظر

پاکستان کثیر المذاہب اور متنوع معاشرہ ہے جہاں مختلف مذہبی وفکری گروہ آباد ہیں۔ رپورٹ انہی موضوعات کے گرد گھومتی ہے اور جماعت احمدیہ کو درپیش حالات کا انسانی حقوق کے تناظر میں جائزہ پیش کرتی ہے۔

مختلف علاقوں میں پیش آنے والے واقعات

رپورٹ کے مطابق پنجاب کے مختلف اضلاع جیسے گوجرانوالہ، سیالکوٹ، لاہور، فیصل آباد، چنیوٹ اور سرگودھا میں متعدد واقعات سامنے آئے۔ سندھ میں کراچی اور آزاد کشمیر کے بعض علاقوں کے واقعات بھی شامل ہیں۔ رپورٹ کے مطابق یہ واقعات محض انفرادی نہیں بلکہ ایک سماجی رجحان کی عکاسی کرتے ہیں۔

عبادت گاہوں سے متعلق معاملات

بعض مقامات پر احمدیہ عبادت گاہوں کے میناروں اور دیگر علامات پر تنازعات پیدا ہوئے اور بعض جگہ انتظامی کارروائیاں بھی ہوئیں۔ کمیشن کے مطابق یہ مذہبی آزادی کے بنیادی اصولوں سے متعلق اہم سوالات پیدا کرتے ہیں۔

قبروں کی بے حرمتی کے واقعات

رپورٹ میں مختلف علاقوں میں احمدی قبروں پر درج مذہبی علامات ہٹانے یا تبدیل کرنے کے واقعات کا ذکر ہے۔ رپورٹ ان کو انسانی وقار اور تدفین کے احترام کے تناظر میں دیکھتی ہے۔

قانونی مقدمات اور عدالتی پہلو

مختلف افراد کے خلاف مذہبی نوعیت کے مقدمات درج کیے گئے۔ بعض صورتوں میں یہ اقدامات خوف اور عدم تحفظ کو بڑھا سکتے ہیں، تاہم ہر مقدمہ عدالت میں قانون کے مطابق طے ہوتا ہے۔

تشدد کے واقعات اور ریاستی ذمہ داری

بعض علاقوں میں تشدد کے واقعات بھی رپورٹ ہوئے جن میں جانی و مالی نقصان ہوا۔ ریاست کی ذمہ داری شہریوں کے جان و مال کا تحفظ ہے۔

انتخابی نظام اور شہری حقوق

رپورٹ میں احمدیوں کے انتخابی نظام اور شناختی مسائل پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔

مجموعی تجزیہ

رپورٹ کا سب سے مضبوط پہلو اس کا دستاویزی مواد ہے۔ تاہم اسے دیگر تاریخی اور قانونی حوالہ جات کے ساتھ ملا کر دیکھنا زیادہ بہتر فہم دیتا ہے۔

سفارشات اور نتیجہ

رپورٹ میں مذہبی آزادی، قانون کی حکمرانی، نفرت انگیزی کے خاتمے اور اقلیتوں کے حقوق کے فروغ پر زور دیا گیا ہے۔ یہ دستاویز انسانی حقوق کے مباحث میں ایک اہم اضافہ ہے۔

اختتام

یہ رپورٹ نہ صرف جماعت احمدیہ کی صورتحال کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے بلکہ پاکستان میں انسانی حقوق کے وسیع تر منظرنامے کو بھی واضح کرتی ہے۔

جہدحق پڑھنے والے توجہ کریں

- آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا۔

جو خامیاں/ کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔

- آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ/اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کر کے بذریعہ ڈاک روانہ کر سکتے ہیں۔ حقائق اچھی طرح سے تصدیق کر کے لکھیں۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوان جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،

نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

HRCP کارکن متوجہ ہوں

''جہدحق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتہ تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جاسکے۔

جہدحق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے

ویب سائٹ پر موجود ہیں۔ پتہ:

www.hrcp-web.org

ماحولیاتی تبدیلی ہمیں یہ پیغام دے رہی ہے کہ ترقی کا راستہ ایسا نہیں ہونا چاہیے

عبداللہ بلوچ

ماحولیاتی تبدیلی: گرمی کی شدت، انسانی زندگی اور درجہ حرارت، غیر معمولی گرمی کی لہریں، خشک سالی، سیلاب اور قدرتی آفات اب صرف سائنسی رپورٹس کا حصہ نہیں رہے۔

بلکہ عام انسان کی روزمرہ زندگی کو متاثر کر رہے ہیں۔ یورپ جیسے ترقی یافتہ خطے بھی شدید گرمی کی لپیٹ میں آ رہے ہیں، جہاں گرمی کی شدت کے باعث انسانی جانوں کو خطرات لاحق ہیں۔ یورپ کے بعض علاقوں میں درجہ حرارت 36 ڈگری سینٹی گریڈ تک پہنچنے پر بھی صحت کے مسائل اور ہلاکتوں کی اطلاعات سامنے آئیں،

جبکہ شدید گرمی سے بچنے کے لیے یورپ میں لوگ پنکھوں اور ٹھنڈک کے دیگر ذرائع کی خریداری کرتے نظر آئے۔

یہ صورتحال ایک اہم سوال پیدا کرتی ہے کہ اگر دنیا کے وہ ممالک جو بہتر انفراسٹرکچر، صحت کی سہولیات اور وسائل رکھتے ہیں، وہ بھی شدید گرمی کے اثرات سے محفوظ نہیں تو ان غریب اور ترقی پذیر علاقوں کے لوگوں کا کیا حال ہوگا جہاں لاکھوں افراد روزانہ کھلے آسمان تلے محنت مزدوری کرتے ہیں؟

پاکستان اس مسئلے سے شدید متاثر ہونے والے ممالک میں شامل ہے۔ بلوچستان کے مختلف علاقے، جیسے کیچ، لسبیلہ، سیوئی اور اوتھل، پنجاب کے ملتان، ڈیرہ غازی خان اور سندھ کے کئی اضلاع میں مزدور طبقہ شدید گرمی میں کام کرنے پر مجبور ہے۔ کئی علاقوں میں درجہ حرارت 50 ڈگری سینٹی گریڈ سے تجاوز کر جاتا ہے، لیکن مزدور کے لیے روزی کمانا زندگی کی مجبوری ہے۔ وہ شدید دھوپ، گرم ہواؤں اور جسم کو جھلسا دینے والی گرمی میں اپنے خاندان کا پیٹ پالنے کے لیے کام کرتا ہے۔

یہاں سوال صرف موسم کا نہیں بلکہ انسانی حقوق کا بھی ہے۔ صاف پانی، صحت مند ماحول، محفوظ کام کی جگہ اور انسانی زندگی کا تحفظ بنیادی حقوق میں شامل ہیں۔ جب ایک مزدور شدید گرمی میں بغیر مناسب حفاظتی سہولیات کے کام کرنے پر مجبور ہو تو یہ صرف موسمی مسئلہ نہیں رہتا بلکہ سماجی انصاف کا مسئلہ بن جاتا ہے۔

اسی طرح ایشیائی ممالک کے وہ لاکھوں محنت کش جو بہتر مستقبل کی امید میں خلیجی ممالک کا رخ کرتے ہیں، وہاں بھی شدید گرمی کا سامنا کرتے ہیں۔ سعودی عرب، دبئی، کویت اور دیگر خلیجی ریاستوں میں درجہ حرارت اکثر 50 سے 52 ڈگری کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ ان حالات میں تعمیرات، صفائی، ڈرائیونگ اور دیگر شعبوں میں کام کرنے والے مزدور اپنے خاندانوں کی کفالت کے لیے سخت موسمی حالات برداشت کرتے ہیں۔

یہ حقیقت ہمیں یاد دلاتی ہے کہ ماحولیاتی تبدیلی کا اثر سب پر برابر نہیں پڑتا۔ امیر طبقہ ٹھنڈے کمروں، جدید سہولیات اور وسائل کے ذریعے خود کو کچھ حد تک محفوظ کر سکتا ہے، لیکن غریب مزدور، کسان اور کم آمدنی والے لوگ اس بحران کا سب سے زیادہ شکار بنتے ہیں۔

اصل سوال یہ ہے کہ قدرتی ماحول کا یہ بگاڑ پیدا کیسے ہوا؟ حقیقت یہ ہے کہ زمین کا ماحول انسان کی اپنی سرگرمیوں سے متاثر ہوا ہے۔ بے تحاشا صنعتی ترقی، جنگلات کی کٹائی، آلودگی، ایندھن کا زیادہ استعمال اور قدرتی وسائل کا غیر متوازن استعمال اس بحران کی بڑی وجوہات ہیں۔ انسان نے ترقی کی دوڑ میں فطرت کے نظام کو نقصان پہنچایا، جس کے اثرات اب پوری انسانیت بھگت رہی ہے۔

ماحولیاتی تبدیلی ہمیں یہ پیغام دے رہی ہے کہ ترقی کا راستہ ایسا نہیں ہونا چاہیے جس میں انسان اپنی ہی بقا کو خطرے میں ڈال دے۔ معاشی ترقی ضروری ہے، لیکن ایسی ترقی جو ماحول، انسانی زندگی اور آنے والی نسلوں کے تحفظ کے ساتھ ہو۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ دنیا کے ممالک ماحولیاتی تحفظ کے لیے عملی اقدامات کریں، درخت لگانے، آلودگی کم کرنے، صاف توانائی کو فروغ دینے اور مزدور طبقے کے لیے گرمی سے بچاؤ کے اقدامات کو یقینی بنائیں۔ حکومتوں، اداروں اور معاشرے سب کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس بحران کو صرف ایک موسمی تبدیلی نہ سمجھیں بلکہ انسانی زندگی کے تحفظ کا مسئلہ سمجھیں۔

گرمی کی یہ لہریں ہمیں یاد دلاتی ہیں کہ زمین صرف انسان کی ملکیت نہیں بلکہ آنے والی نسلوں کی امانت بھی ہے۔ اگر آج ذمہ داری کا مظاہرہ نہ کیا گیا تو مستقبل میں یہ بحران مزید شدید ہو سکتا ہے۔ ماحول کا تحفظ دراصل انسانیت کا تحفظ ہے۔

چمن پسنجر ایکسپریس کی بندش: آٹھ لاکھ آبادی کی سفری مشکلات اور حکام کی خاموشی

محمد صدیق

بلوچستان کا شہر چمن کہنے کو تو صوبے کا دوسرا بڑا تجارتی اور سرحدی شہر ہے جہاں آٹھ لاکھ سے زائد انسان بستے ہیں لیکن بنیادی سہولیات کے لحاظ سے یہ شہر آج بھی پسماندگی کی تصویر بنا ہوا ہے۔ اس وقت اہلیانِ چمن کا سب سے بڑا اور سنگین مسئلہ چمن پسنجر ایکسپریس ریل گاڑی کی کئی مہینوں سے جاری بندش ہے جس نے پورے شہر کی زندگی کو مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔ انگریزوں کے دور سے چلنے والی یہ ٹرین چمن اور کوئٹہ کے درمیان غریب عوام کے لیے سفر کا واحد سستا اور محفوظ ذریعہ تھی۔ لیکن افسوس کہ گزشتہ کئی ماہ سے یہ ریل گاڑی بغیر کسی ٹھوس وجہ کے بند پڑی ہے جس کی وجہ سے مقامی آبادی کو شدید ترین سفری اور معاشی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ ٹرین کی بندش کے بعد چمن کے عوام اب پوری طرح کوئٹہ شاہراہ (ہائی وے) پر انحصار کرنے پر مجبور ہیں۔ مگر یہ شاہراہ آئے روز مختلف قسم کے احتجاجوں، دھرنوں اور بندشوں کا شکار رہتی ہے۔ جب بھی یہ سڑک بند ہوتی ہے تو چمن کا رابطہ ملک کے دیگر حصوں سے کٹ جاتا ہے۔ اس صورتحال کا سب سے دردناک پہلو یہ ہے کہ ہائی وے بلاک ہونے کی وجہ سے ہسپتال جانے والے مریض، بوڑھے، خواتین اور معصوم بچے گھنٹوں سڑکوں پر پھنسے رہتے ہیں۔ کئی بار ایمرجنسی کی حالت میں مریض وقت پر کوئٹہ نہیں پہنچ پاتے جو کہ ایک بڑا انسانی المیہ ہے۔ عوام کا یہ سوال بالکل جائز ہے کہ حال ہی میں ملک کے اندر پٹرولیم اشیاء کی قیمتیں سستی ہوئی ہیں اور پرانے ریٹ واپس آ چکے ہیں تو پھر ریلوے انتظامیہ چمن پسنجر ایکسپریس کو بحال کیوں نہیں کر رہی؟ جب پٹرول مہنگا ہو تو ٹرینیں بند کر دی جاتی ہیں یا کرائے بڑھا دیے جاتے ہیں لیکن اب قیمتیں کم ہونے کے باوجود ٹرین کو تا حال بند رکھنا سمجھ سے باہر اور عوام کے ساتھ سراسر ناانصافی ہے۔ چمن کے غریب اور دہاڑی دار طبقے کے لیے سڑک کے ذریعے مہنگا سفر کرنا اب بس کی بات نہیں رہی۔ ٹرین نہ صرف سستی تھی بلکہ اس کے ذریعے سفر کرنے والے مسافر احتجاج اور روڈ بلاک ہونے کی اذیت سے بھی محفوظ رہتے تھے۔

آٹھ لاکھ کی آبادی کو اس طرح بے یار و مددگار چھوڑ دینا کسی بھی طور درست نہیں ہے۔ ہم حکومتِ وقت، وزیرِ ریلوے اور اعلیٰ حکام سے پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ چمن کے عوام کے اس اہم اور جائز مطالبے کو فوری طور پر سنا جائے۔ چمن پسنجر ایکسپریس ریل کو ہنگامی بنیادوں پر بحال کیا جائے تاکہ غریب عوام کو سستی سفری سہولت مل سکے اور سڑکوں پر خوار ہونے والے مریضوں اور مسافروں کی مشکلات کا خاتمہ ہو سکے۔

میں محفوظ کیوں نہیں ہوں؟

میمونہ سحر

یہ حقیقت اس عام غلط فہمی کو چیلنج کرتی ہے کہ بچوں کے لیے خطرہ صرف نامعلوم یا اجنبی افراد سے ہوتا ہے

پاکستان میں بچوں کے ساتھ بدسلوکی اور ان کے قتل کے واقعات:

بچوں کے تحفظ کے مؤثر نظام کی فوری ضرورت

پاکستان میں بچوں کے ساتھ بدسلوکی انسانی حقوق کے سنگین ترین مسائل میں سے ایک ہے، جو ہر سال ہزاروں بچوں کو ان کے سماجی اور معاشی پس منظر سے قطع نظر متاثر کرتی ہے۔ اغوا، جسمانی تشدد، جنسی زیادتی اور بچوں کے قتل کے بڑھتے ہوئے رپورٹ شدہ واقعات نے بچوں کے تحفظ کے موجودہ نظام اور نافذ قوانین پر مؤثر عمل درآمد کے حوالے سے شدید تشویش پیدا کر دی ہے۔ ہر بچے کو زندگی، عزت، تحفظ اور ہر قسم کے تشدد سے محفوظ رہنے کا بنیادی حق حاصل ہے، جسے اقوامِ متحدہ کے بچوں کے حقوق کے کنونشن میں تسلیم کیا گیا ہے، جس پر پاکستان بھی دستخط کنندہ ملک ہے۔ اسی طرح پاکستان کے آئین کے آرٹیکل 9، 14 اور 25 بھی ہر شہری، بالخصوص بچوں، کے بنیادی حقوق کی ضمانت فراہم کرتے ہیں۔ تاہم، ان قانونی اور آئینی ضمانتوں کے باوجود بچوں کے خلاف تشدد اور استحصال کے واقعات بدستور تشویشناک حد تک سامنے آ رہے ہیں، جو اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ بچوں کے تحفظ کے لیے قانونی، ادارہ جاتی اور معاشرتی سطح پر مربوط اور مؤثر اصلاحات ناگزیر ہو چکی ہیں۔

جون 2026 میں سرگودھا کی سات سالہ منتہیٰ زہرا کا قتل پورے پاکستان کے لیے ایک دل دہلا دینے والا سانحہ تھا۔ مبینہ جنسی زیادتی اور قتل کے اس واقعے نے ملک بھر میں شدید غم و غصہ پیدا کیا اور بچوں کے تحفظ کے قوانین پر مؤثر عمل درآمد کی فوری ضرورت کو اجاگر کیا۔

منتہا زہرا کا واقعہ پاکستان میں بچوں کے ساتھ ہونے والے جنسی استحصال اور تشدد کے واقعات میں ایک بار بار سامنے آنے والے خطرناک رجحان کو بے نقاب کرتا ہے، جہاں مجرم اکثر کوئی اجنبی نہیں بلکہ وہ افراد ہوتے ہیں جو پہلے سے بچے یا اس کے خاندان کے لیے جانے پہچانے ہوتے ہیں۔ یہ حقیقت اس عام غلط فہمی کو چیلنج کرتی ہے کہ بچوں کے لیے خطرہ صرف نامعلوم یا اجنبی افراد سے ہوتا ہے۔ درحقیقت، ہمسائے، رشتہ دار، دکاندار، جاننے والے، اساتذہ اور دیگر مانوس بالغ افراد بھی خاندان کی جانب سے کیے گئے اعتماد کا ناجائز فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اسی لیے بچوں کے تحفظ کے لیے صرف قانون نافذ کرنے والے اداروں کی کارکردگی بہتر بنانا کافی نہیں بلکہ والدین کی مسلسل نگرانی، معاشرتی شعور میں اضافہ، اور بچوں کو ذاتی حفاظت، اچھے اور برے لمس کی پہچان، اور دوسروں کے ساتھ مناسب ذاتی حدود کے بارے میں تعلیم دینا بھی نہایت ضروری ہے۔ یہ اجتماعی اقدامات ہی بچوں کے لیے محفوظ اور پُرامن ماحول کی ضمانت فراہم کر سکتے ہیں۔

یونیسیف پاکستان، ساحل، اور ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کی رپورٹس کے مطابق پاکستان میں ہر سال بچوں کے ساتھ بدسلوکی اور تشدد کے ہزاروں واقعات رپورٹ ہوتے ہیں، تاہم خوف، سماجی بدنامی اور معاشرتی دباؤ کے باعث متعدد واقعات متعلقہ اداروں تک پہنچ ہی نہیں پاتے اور رپورٹ ہونے سے رہ جاتے ہیں۔

پاکستان میں بچوں کے ساتھ بدسلوکی اور ان کے قتل جیسے سنگین جرائم کے تسلسل کے پیچھے متعدد باہم مربوط عوامل کارفرما ہیں۔ بچوں کے تحفظ سے متعلق قوانین پر کمزور عمل درآمد، تفتیشی کارروائی میں تاخیر، عدالتی مقدمات کے طویل دورانیے، فرانزک سہولیات اور تکنیکی صلاحیتوں کی کمی، بچوں کی مناسب نگرانی کا فقدان، غربت، اور "محفوظ لمس (Touch Safe)" اور "غیر محفوظ لمس (Unsafe Touch)" کے بارے میں عوامی شعور کی کمی ایسے عوامل ہیں جو بچوں کو زیادہ خطرات سے دوچار کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ، تعلیمی اداروں اور معاشرے میں بچوں کے تحفظ سے متعلق منظم آگاہی اور تربیتی پروگراموں کا فقدان بھی ان کی کمزوری میں اضافہ کرتا ہے۔ مزید برآں، متاثرہ بچوں اور جرائم میں ملوث افراد دونوں کے لیے نفسیاتی تشخیص، مشاورت اور بحالی کی سہولیات تک محدود رسائی نہ صرف ایسے جرائم کی مؤثر روک تھام میں رکاوٹ بنتی ہے بلکہ متاثرین کی بحالی کے عمل کو بھی متاثر کرتی ہے۔ بہت سے معاشروں میں سماجی بدنامی، خاندانی عزت اور عوامی ردِعمل کے خوف کے باعث والدین اور خاندان ایسے واقعات کی رپورٹ درج کروانے سے ہچکچاتے ہیں، جس کے نتیجے میں مجرم قانون کی گرفت سے بچ نکلتے ہیں اور بعض اوقات دوبارہ اسی نوعیت کے جرائم کے ارتکاب کا خطرہ برقرار رہتا ہے۔

اس سنگین مسئلے سے مؤثر انداز میں نمٹنے کے لیے جامع قومی حکمتِ عملی کی ضرورت ہے، جس میں حکومتی ادارے، تعلیمی ادارے، قانون نافذ کرنے والے ادارے، سول سوسائٹی اور مقامی کمیونٹیز مشترکہ کردار ادا کریں۔ اسکولوں کے نصاب میں بچوں کے تحفظ سے متعلق تعلیم کو شامل کیا جائے تاکہ بچے خطرناک حالات کی بروقت نشاندہی کر سکیں اور بلا جھجک مدد حاصل کریں۔ والدین کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں سے کھلے انداز میں بات چیت کریں اور صرف اس بنیاد پر کسی بھی قریبی یا جان پہچان والے فرد پر مکمل اعتماد نہ کریں کہ وہ خاندان کا واقف کار ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پولیس اور دیگر تحقیقاتی اداروں کو بچوں سے متعلق حساس مقدمات کی تفتیش، جدید فرانزک سہولیات اور خصوصی تربیت فراہم کی جائے، جبکہ ایسے مقدمات کے فوری فیصلوں کے لیے خصوصی عدالتوں کو مؤثر بنایا جائے۔ مزید برآں، کمیونٹی نگرانی کے نظام، آسان رپورٹنگ کے ذرائع اور متاثرہ بچوں کے لیے نفسیاتی مشاورت و بحالی کی سہولیات کو مضبوط بنایا جائے تاکہ انصاف کی فراہمی کے ساتھ ساتھ بچوں کے تحفظ اور بحالی کو بھی یقینی بنایا جا سکے۔

منتہا زہرا، تین سالہ کلثوم، آٹھ سالہ شکیل اور دیگر معصوم بچوں کی المناک اموات ہمیں یہ یاد دلاتی ہیں کہ بچوں کا تحفظ پوری قوم کی مشترکہ قانونی اور اخلاقی ذمہ داری ہے۔ مؤثر قانون سازی، سخت عمل درآمد، عوامی آگاہی اور اجتماعی کوششیں ہی ہر بچے کو تشدد، استحصال اور خوف سے پاک محفوظ مستقبل فراہم کر سکتی ہیں۔

والدین کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں سے کھلے انداز میں بات چیت کریں اور صرف اس بنیاد پر کسی بھی قریبی یا جان پہچان والے فرد پر مکمل اعتماد نہ کریں کہ وہ خاندان کا واقف کار ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پولیس اور دیگر تحقیقاتی اداروں کو بچوں سے متعلق حساس مقدمات کی تفتیش، جدید فرانزک سہولیات اور خصوصی تربیت فراہم کی جائے، جبکہ ایسے مقدمات کے فوری فیصلوں کے لیے خصوصی عدالتوں کو مؤثر بنایا جائے۔

تشدد کے شکار افراد سے اظہارِ یکجہتی کا عالمی دن

تشدد کی روک تھام پر زور

26 جون 2026 کو پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کے ریجنل آفس تربت مکران کے زیرِ اہتمام تشدد کے شکار افراد سے اظہارِ یکجہتی کا عالمی دن منایا گیا۔ جس میں ایچ آر سی پی کے سرگرم ممبرز اور کارکنوں نے شرکت کی۔

غنی پرواز نے اظہار خیال کرتے ہوئے تشدد کی مختصر تاریخ، تعریف، مقاصد، طریقوں اور اقسام پر روشنی ڈالی۔ ان کا کہنا تھا کہ بیسویں صدی میں جب تعلیم، علم اور شعور ترقی کی ایک خاص سطح تک پہنچے تو پہلی جنگ عظیم کے بعد 1920 میں لیگ آف نیشنز کا قیام عمل میں آیا لیکن اس کی ناکامی اور خاتمے کے بعد 1945 میں اقوام متحدہ کا قیام عمل میں آیا۔ 1987 میں ڈنمارک کی تجویز پر اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی جانب سے ایک کنونشن منعقد کیا گیا جس کے دوران تشدد کو بہت ہی نقصان دہ عمل قرار دے کر اس کے خاتمے کا فیصلہ کیا گیا اور اس مقصد کے لیے یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ آئندہ ہر سال 26 جون کو دنیا بھر میں تشدد کے شکار افراد سے اظہار یکجہتی کا عالمی دن منایا جائے گا جس میں تشدد کے بارے میں آگاہی پیدا کی جائیگی اور اس کے خاتمے کے لیے حالات سازگار بنانے کی کوششیں کی جائیگی چنانچہ 26 جون 1998 سے دنیا بھر میں اس دن کو منانے کا سلسلہ شروع کیا گیا جو ابھی تک بدستور جاری ہے۔

غنی پرواز نے مزید بتایا کہ تشدد کے کئی مختلف طریقے ہوتے ہیں مثال کے طور پر تھپڑ مارنا، مکے مارنا، لاتیں مارنا، ڈنڈے مارنا، اغوا کرنا، جبری طور پر لاپتہ کرنا، قید رکھنا، قید کے دوران دیر تک کھڑے ہونے پر مجبور کرنا، غسل خانے میں جانے سے روکنا، سنگھے درخت یا کسی اور چیز پر لٹکانا یا پھر قتل کر ڈالنا وغیرہ شامل ہیں۔

تشدد کی بہت سی اقسام ہوتی ہیں جن میں جسمانی تشدد، ذہنی تشدد، جنسی تشدد، معاشی تشدد، معاشرتی تشدد، لسانی تشدد، ثقافتی تشدد، سیاسی تشدد، ریاستی تشدد، گھریلو تشدد، اسکول یا مدرسہ تشدد، پولیس تشدد، ایجنسی تشدد، فوجی تشدد اور دیگر شامل ہیں۔ اقوام متحدہ، ایچ ارسی پی اور دنیا کی تمام دیگر انسانی حقوق کی تنظیموں کے نزدیک تشدد کے تمام طریقے اور اقسام بہت زیادہ نقصان دہ ہیں جن کا خاتمہ ضروری ہے۔

رستم جان ایڈوکیٹ کا کہنا تھا کہ ہم ایک ایسے ملک میں رہ رہے ہیں جہاں قانون کے رکھوالے خود قانون توڑ رہے ہیں۔ اب ذہنی تشدد کا رجحان زیادہ ہو رہا ہے اس ملک میں اگر ائین و قانون کے جتنے رولز ہیں ان پر عمل کیا جائے تو حالات کافی بہتر ہو سکتے ہیں۔

شکراللہ یوسف کا کہنا تھا کہ اس ملک میں ہر قسم کا تشدد ہو رہا ہے۔ اگر ہم اس کو روک نہیں سکتے تو اسے کم از کم برا ضرور کہنا چاہیے۔

مجاہد حسین کا کہنا تھا کہ ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ بادل کبھی نہ کبھی ضرور چھٹ جائیں گے۔ اگر انصاف نہیں ہوگا تو لوگ مجبور ہوں گے کہ وہ اپنے حق کے لیے آواز اور ہتھیار اٹھائیں اگر ملک میں امن چاہتے ہیں تو انصاف قائم کرنا ہوگا۔

محمد کریم گچکی کا کہنا تھا کہ یہ دن اس لیے اقوام متحدہ نے مختص کیا تھا کہ تشدد کو ختم کرنے کی کوشش کی جائے لیکن پوری دنیا میں تشدد ختم ہونے کی بجائے بڑھ رہا ہے۔

اگر اس ملک میں کوئی تشدد کے خلاف آواز اٹھائے تو بعد میں اس کو ٹارگٹ کر کے اس پر تشدد کیا جاتا ہے۔ تشدد مسئلے کا حل نہیں بلکہ انسان کے دل میں نفرت کو بڑھاتا ہے۔

ڈاکٹر محسن بالاج کا کہنا تھا کہ تشدد کو ختم کرنے کے لیے اسے صرف ایک دن منانا کافی نہیں بلکہ سال بھر میں بار بار منانے کی ضرورت ہے۔ شریف شمبے زئی کا کہنا تھا کہ دنیا میں جو طاقت ور ملک ہیں ان کو چاہیے کہ وہ تشدد کو ختم کرنے کی کوشش کریں لیکن طاقت ور ملک خود دوسرے ملکوں پر تشدد کر رہے ہی۔ تشدد ختم کرنے کی شروعات ہمیں خود سے کرنا ہوگا۔ سجاد حمید دشتی کا کہنا تھا کہ ہمارے معاشرے میں ہر قسم کا تشدد ہو رہا ہے لیکن ریاستی تشدد سب سے زیادہ نقصان دہ ہے۔

تشدد کرنے سے حالات زیادہ کشیدہ ہو رہے ہیں اس لیے اسے ختم کرنا بہت ضروری ہے۔ ڈاکٹر غنی پرواز کا کہنا تھا کہ ہمارے معاشرے میں تین قسم کے تشدد زیادہ ہو رہے ہیں جن میں گھریلو تشدد، معاشرتی تشدد اور ریاستی تشدد شامل ہیں۔ یہ ہمارے معاشرے کو ناسور کی طرح کھا رہے ہیں۔ ہم ریاست سے اپیل کرتے ہیں کہ اگر وہ اپنے لوگوں کے ساتھ ماں جیسا سلوک کرے تو حالات کافی حد تک بہتر ہو سکتے ہیں۔

تو کلی بالاچ نے کہا کہ ہمیں نیلسن منڈیلا کی طرح ڈٹ کر تشدد کا مقابلہ کرنا چاہیے تاکہ وہ جلد از جلد ختم ہو۔

پروگرام کے پہلے حصے کے آخر میں اتفاق رائے سے ایک خصوصی قرارداد منظور کی گئی جس کا متن یہ ہے۔

قرارداد

گزشتہ دنوں میڈیا کے ذریعے پتہ چلا کہ انسداد دہشت گردی عدالت کی جانب سے گوادر راجی مچی کے دوران شبیر احمد نامی ایک شخص کے قتل کے الزام پر بی وائے سی کی سربراہ ڈاکٹر ماہ رنگ بلوچ اور مرکزی رہنما صبغت اللہ شاہ جی کو عمر قید کی سزا دی گئی ہے۔

26 جون 2026 کے موجودہ پروگرام کے تمام شرکاء کو اس فیصلے پر انتہائی صدمہ پہنچا ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ فیصلہ ملکی آئین و قوانین کے مطابق نہیں ہے اور اس کے لیے انصاف اور انسانی حقوق کے تقاضے بھی پورے نہیں کیے گئے ہیں بلکہ یہ محض ایک سیاسی فیصلہ معلوم ہوتا ہے۔

تمام شرکاء نے اس فیصلے کی شدید مذمت کی اور اس پر نظر ثانی کا پرزور مطالبہ کیا۔ تاہم ایسا نہ ہونے کی صورت میں شرکا نے یہ تجویز دی کہ متاثرین کے قریبی لوگوں کو چاہیے کہ وہ کسی بالائی عدالت میں اپیل کریں اور بالائی عدالت سے امید ہے کہ وہ ملکی آئین و قوانین کے پیش نظر انصاف اور انسانی حقوق کے تقاضے پورے کرتے ہوئے کوئی بہتر فیصلے کرے گی۔

پروگرام کے اختتام کے بعد شرکاء ایک پُرامن مظاہرہ کیا اور اس دوران تشدد کے خاتمے، متاثرین کے ساتھ اظہارِ یکجہتی اور انسانی حقوق کے احترام کے حق میں نعرے لگائے۔

مظاہرین نے مطالبہ کیا کہ تشدد کے واقعات کی روک تھام اور متاثرہ افراد کو انصاف کی فراہمی کے لیے مؤثر اقدامات کیے جائیں۔

تقریب سے اظہار خیال کرنے والوں میں غنی پرواز، رستم جان ایڈوکیٹ، شکراللہ یوسف، مجاہد حسین، محمد کریم گچکی، ڈاکٹر محسن بالاچ، شریف شمبیزئی، سجاد حمید دشتی، ڈاکٹر سمی پرواز اور تو کلی بالاچ شامل تھے۔

(ایچ آر سی پی ریجنل آفس تربت مکران بلوچستان)

قانون: جنید حفیظ کے نام کھلا خط

محمد حنیف

محترم جنید حفیظ!

ہم آپ کو یہ یقین دلانے کے لیے لکھ رہے ہیں کہ اگرچہ ہم نے آپ کو تقریباً سات سال پہلے توہینِ رسالت کے الزام میں سزائے موت سنائی تھی، آپ اس بات سے کسی حد تک تسلی حاصل کر سکتے ہیں کہ ہم نے آج تک اس جرم میں سزا یافتہ کسی بھی شخص کو پھانسی نہیں دی۔

آپ شاید یہ سوال کریں کہ اگر ہم یہ سزا واقعی نافذ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے، تو پھر پچھلے چھ سال سے ہم آپ کی اپیل کیوں نہیں سن رہے؟ ہم آپ کو عدالت میں اپنا مؤقف پیش کرنے کا موقع کیوں نہیں دے رہے؟ وہ موقع جس میں ایک جج آپ کی سزا کو کالعدم قرار دے کر آپ کو رہا کر سکتا ہے، یا آپ کے خلاف موجود شواہد کا جائزہ لے کر سزا برقرار رکھ سکتا ہے، جس کے بعد آپ ایک اور اپیل اور پھر ایک اور اپیل دائر کر سکیں۔ اور بالآخر جب ملک کی اعلیٰ ترین عدالت سے آپ کی سزائے موت کی توثیق ہو جائے، تو آپ رحم کی آخری درخواست بھی دے سکیں۔

آپ کو 13 سال سے یہ انتظار ہے کہ آخر ریاست آپ کے ساتھ کیا کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اگر آپ نے دوسرے درجے کا قتل کیا ہوتا، پکڑے جاتے اور سزا پاتے، اور اچھے رویے کا مظاہرہ کرتے تو شاید اب تک آپ اپنی سزا مکمل کر چکے ہوتے۔

لیکن آپ نے نہ کسی کو قتل کیا، نہ غداری کی، نہ حکومت کا تختہ الٹنے کی کوئی سازش کی، اور نہ ہی کسی ادارے کی اتھارٹی کو چیلنج کیا۔ اس کے بجائے آپ نے کتابیں پڑھیں، کتابوں پر گفتگو کی، آپ ایک علمی زندگی گزارنا چاہتے تھے، آپ کمرہ جماعت میں گئے، آپ پر توہینِ رسالت کا الزام لگا، اور آپ کو سزائے موت سنا دی گئی۔

ریاست کی جانب سے شاید ایک خاموش اشارہ یا غیر تحریری وعدہ موجود ہے کہ آپ کو پھانسی کے پھندے تک نہیں پہنچایا جائے گا، لیکن ساتھ ہی ساتھ آپ کو اپنی بے گناہی ثابت کرنے اور گھر واپس جانے کے حق سے بھی محروم رکھا جائے گا۔

آپ یہ سوچ سکتے ہیں کہ 13 سال (کیا آپ اب بھی دن گنتے ہیں یا سال گننا شروع کر دیے ہیں؟) جیل میں رہنے کے بعد دنیا آپ کو بھول چکی ہوگی۔ لیکن آپ کا نام انسانی حقوق کی تنظیموں کی سالانہ رپورٹس میں اب بھی موجود ہوتا ہے، اور آپ کی تصویر ہماری سوشل میڈیا یا یادداشتوں میں بھی سامنے آ جاتی ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جنید حفیظ کو پاکستان میں سست رفتار انصاف کے دیگر سیکڑوں متاثرین کے مقابلے میں زیادہ توجہ ملتی ہے، کیونکہ ان سے خود کو جوڑنا آسان ہے۔ وہ محنت کش والدین کے اس خواب جیسے بیٹے کی نمائندگی کرتے ہیں جو ہر بورڈ امتحان میں نمایاں کارکردگی دکھاتا ہے، پاکستان کے بہترین میڈیکل کالج میں داخلہ لیتا ہے، اور پھر اپنی تعلیم کے دوران علم و ادب کی طرف مائل ہو جاتا ہے، فلبرائٹ اسکالرشپ حاصل کرتا ہے، وطن واپس آ کر تدریس اور تعلم کا سلسلہ جاری رکھتا ہے۔ یہی وہ لڑکا ہے جسے ہم ہمیشہ اس ملک کا روشن مستقبل کہتے ہیں۔

آپ جیسے کئی اور افراد ہیں جنہیں اس سے کہیں کم توجہ ملتی ہے۔ سینکڑوں افراد ایسے ہیں جو مقدمات کے فیصلوں کے انتظار میں ہیں، ان میں سے پچاس سے زیادہ کو سزائے موت سنائی جا چکی ہے، اور ان کی اپیلیں سالوں سے — کئی کیسز میں 10، جبکہ کئی میں 20 سال سے — سنی نہیں گئیں۔ آپ کو کچھ امید دینے کے لیے ہم نے ظفر بھٹی کی مثال بھی دی ہو گی، جو ایک میڈیکل ڈسٹری بیوٹر تھے اور توہینِ رسالت کے الزام میں 14 سال جیل میں رہے۔ پچھلے سال بالآخر انہیں عدالت میں پیشی کا موقع ملا اور وہ بری ہو گئے۔

بری۔ 14 سال قید رکھنے کے بعد عدالت نے تسلیم کیا کہ وہ بے گناہ تھے۔ وہ گھر گئے، مگر صرف تین دن بعد وفات پا گئے۔ 14 سال قید کے بعد صرف تین دن کی آزادی — ایک ایسے جرم کے لیے جو کبھی ہوا ہی نہیں تھا۔

ہمارا عدالتی نظام اکثر اس بات پر تنقید کا نشانہ بنتا ہے کہ یہ انتہائی سست روی کا شکار ہے اور توہینِ رسالت کے مقدمات کی اپیلیں سننے میں غیر معمولی احتیاط برتتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے کسی توہینِ رسالت کے قیدی کا کیس کھولنا خود توہینِ رسالت کے مترادف ہو۔

ہم اپنے ججوں پر سختی سے تنقید بھی نہیں کر سکتے کیونکہ وکلاء، ججز، وزراء اور گورنرز کو ایسے مقدمات میں مداخلت کے باعث قتل کیا جا چکا ہے جن میں آپ جیسے قیدی شامل تھے۔

چونکہ ججز کو قتل اور دہشت گردی جیسے سنگین مقدمات سے نمٹنا پڑتا ہے، اس لیے انہیں تاحیات پولیس تحفظ فراہم کیا جاتا ہے۔ اگرچہ وہ خطرناک مجرموں کو سزا دینے اور ان کی اپیلیں سننے کی ہمت رکھتے ہیں، لیکن توہینِ رسالت کے ملزمان کے مقدمات سننے سے وہ محتاط رہتے ہیں۔ آپ کے وکیل اسد جمال کے مطابق: "وہ ہمارے نظام اور معاشرے کو جانتے ہیں، وہ اس پر بھروسہ کیوں کریں؟" وہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کے احاطے میں ایک دروازے کا نام "بابِ ختمِ نبوت" رکھا گیا ہے — "یہ ججوں کے لیے ہمہ وقت کی یاددہانی ہے کہ ہم کس قسم کے دور ماحول میں رہ رہے ہیں۔"

تاہم ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ حالات بدل رہے ہیں۔ پچھلے ایک سال میں کئی ضمانتیں، بریتیں اور ریلیف کے فیصلے سامنے آئے ہیں۔ ایک خاتون جو PUBG گیم کھیلنے کے بعد توہینِ مذہب کے جال میں پھنس گئی تھیں، پانچ سال قید کے بعد بری ہو گئیں۔ گزشتہ سال انور کینتھ، جن پر توہینِ رسالت کا الزام تھا اور جنہیں سزائے موت سنائی گئی تھی، 23 سال جیل میں رہنے کے بعد بری کر دیے گئے۔

ان 23 سال بعد ہمیں احساس ہوا کہ وہ ذہنی طور پر مقدمہ چلانے کے قابل نہیں تھے۔ وکلا ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ توہینِ رسالت کے بہت سے ملزمان ذہنی صحت کے مسائل کا شکار ہوتے ہیں، مگر عدالت میں یہ ثابت کرنا مشکل ہوتا ہے کیونکہ ماہر نفسیات گواہی دینے سے ڈرتے ہیں یا گمنام رہنا چاہتے ہیں۔

چونکہ ہم آپ کو زندہ اور قید رکھنے پر مصر ہیں، اس لیے ہمیں آپ کو کچھ نہ کچھ امید دینی ہی پڑتی ہے، چاہے وہ کتنی ہی کمزور کیوں نہ ہو۔ جن لوگوں نے توہینِ رسالت کو اپنی سیاست کا بنیادی ستون بنایا تھا اور جرنیلوں، ججوں اور سیاستدانوں کو دھمکایا تھا، وہ فی الحال خاموش ہیں۔ بعض اوقات ہمیں خوف ہوتا ہے کہ آپ کی رہائی ان "عفریتوں" کو دوبارہ جگا سکتی ہے جنہیں ہم نے وقتی طور پر سلا دیا ہے، یا شاید نظام کے ذمہ دار سمجھتے ہیں کہ یہ "عفریت" دوبارہ آزاد ہو کر سیاسی تماشے کو مزید ہنگامہ خیز بنا دیں گے۔

2013 میں، جس سال آپ جیل گئے، بھارت میں افضال گرو کو پھانسی دی گئی، جو کشمیر سے تعلق رکھنے والے ایک شہری تھے اور دہشت گردی کے الزام میں سزا یافتہ تھے۔

بھارتی سپریم کورٹ نے اپنے فیصلے میں کہا تھا کہ "معاشرے کا اجتماعی ضمیر صرف اسی صورت مطمئن ہوسکتا ہے جب مجرم کو سزائے موت دی جائے۔" یہاں ایسا کوئی اجتماعی ضمیر نہیں ہے جسے مطمئن کرنے کی ضرورت ہو۔ یہاں آپ کے خون کے پیاسے ہجوم نہیں، بلکہ کبھی کبھار رحم کی اپیل کرنے والی آوازیں ہیں جو آپ کی گمشدہ جوانی، صلاحیت اور امکانات کا حوالہ دیتی ہیں۔

آپ ہمارے ضمیر پر ایک معمولی سا نشان ہیں، کیونکہ ہم میں سے کچھ لوگ کتابیں پڑھنے، لکھنے اور پی ایچ ڈی کرنے کی اجازت رکھتے ہیں، لیکن ہم آپ کو وہی حقوق دینے سے قاصر ہیں۔

سیاسی تجزیہ کار کہتے ہیں کہ اگر آپ کو کل رہا بھی کر دیا جائے تو نہ سڑکیں بند ہوں گی، نہ احتجاجی جلوس نکلیں گے، نہ ملک میں آگ لگے گی، اور نہ ہی کوئی ٹائر جلایا جائے گا۔ آپ کو جیل میں اس لیے نہیں رکھا گیا کہ قوم کے ضمیر کو مطمئن کیا جائے۔ آپ کو اس لیے آپ کے دن کی عدالت میں سماعت کا حق نہیں دیا جا رہا تا کہ ہمیں اس ضمیر کا سامنا نہ کرنا پڑے اور ہمیں فیصلہ نہ کرنا پڑے۔

آپ کے موجودہ وکیل، جناب سیف الملوک، جو ظاہر ہے کہ اس بات پر شدید پریشان ہیں کہ آپ کی اپیل کی سماعت نہیں ہو رہی، ہمیں آئینی ضمانت کی یاد دہانی کرواتے ہیں کہ شہریوں کے ساتھ ذات، رنگ یا مذہب کی بنیاد پر امتیاز نہیں کیا جائے گا۔ لیکن وہ سادہ لوح نہیں ہیں اور جانتے ہیں کہ ہمارے معاشرے اور نظامِ انصاف میں ایسا عملی طور پر نہیں ہوتا۔ وہ صرف سزا یافتہ افراد کے ساتھ مساوی سلوک کی اپیل کرتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں: "عدالتیں 2023 میں دائر کی گئی ان اپیلوں کی سماعت کر رہی ہیں جن میں ملزمان پر متعدد قتل کے الزامات ہیں اور جنہیں سزائے موت بھی سنائی جا چکی ہے۔ جنید کی اپیل 2020 کی ہے—تو پھر اس کی سماعت کیوں نہیں ہو رہی؟ اگر ہم تمام شہریوں کے ساتھ مساوات نہیں بھی رکھ سکتے، تو کم از کم سزائے موت پانے والوں کے ساتھ تو مساوی سلوک کیا جائے۔"

کیا یہ ممکن ہے کہ جج اپنی ذاتی سلامتی کے خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے عقیدے کی وجہ سے یہ مقدمات سننے سے گریز کرتے ہوں؟ کیا یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ایسے کیس فائل کو ہاتھ لگانا بھی نہ چاہتے ہوں جس میں توہینِ رسالت کے الزامات ہوں، چاہے وہ الزامات بعد میں غلط ثابت ہوں؟ اسلام آباد میں مقیم وکیل طلحہ رحمان، جو توہینِ مذہب کے 60 سے زائد مقدمات میں وکالت کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ اگر جج کے مطابق توہینِ مذہب کے قوانین مؤثر ہیں، تو پھر وہ ان کے نفاذ میں ہچکچاہٹ کیوں دکھاتے ہیں؟ وہ کہتے ہیں: "کم از کم انہیں اپیلیں سننی چاہئیں، اور اگر انہیں سزا درست لگے تو اسے برقرار رکھیں تا کہ ملزم اگلے مرحلے میں اپیل کر سکے۔"

محترم جنید، جب آپ اپنے دن اور سال گنتے ہوئے اپنی عدالت میں پیشی کا انتظار کر رہے ہیں، ہم ایک بار پھر یہ یقین دہانی کراتے ہیں کہ ہم نے آج تک کسی بھی توہینِ رسالت کے الزام میں سزا یافتہ شخص کو پھانسی نہیں دی۔ لیکن ہم ہر صبح آپ کے گلے میں پھندا ڈالتے اور ہر رات اسے اتارتے ہیں، تا کہ ہماری نیند میں ہمارا ضمیر ہمیں پریشان نہ کرے۔ **مصنف ایک ناول نگار، مضمون نگار اور صحافی ہیں۔**

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کا وزیرِاعظم پاکستان کے نام کھلا خط

انسدادِ تشدد کے قانونی و ادارہ جاتی نظام میں موجود خامیوں کو دور کرنے پر زور

جنابِ عالی!

تشدد کے متاثرین سے اظہارِ یکجہتی کے عالمی دن کے موقع پر، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) آپ کی توجہ ملک بھر کے حراستی مراکز میں جسمانی اور ذہنی دونوں نوعیت کے تشدد، نیز ظالمانہ، غیر انسانی اور توہین آمیز سلوک کے پھیلاؤ کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہے اور ایسے اقدامات کی روک تھام کے لیے پاکستان کے قانونی نظام میں موجود خامیوں کو دور کرنے پر زور دیتا ہے۔

اگرچہ تشدد اور دورانِ حراست ہلاکت (روک تھام اور سزا) ایکٹ 2022 کی منظوری ایک اہم اور تاریخی پیش رفت تھی، تاہم ہمیں افسوس ہے کہ اس قانون میں تشدد کی تعریف میں بلا جواز ذہنی اور نفسیاتی درد و اذیت کو شامل نہیں کیا گیا۔ اس کے نتیجے میں موت یا شدید نقصان کی دھمکی، خوف و ہراس پھیلانا، جبر، تذلیل، فرضی پھانسی، اہلِ خانہ کو دھمکیاں دینا، اور طویل یا غیر معینہ مدت تک تنہائی میں قید رکھنے جیسے نفسیاتی تشدد کے طریقے قانونی لحاظ سے جرم تصور نہیں ہوتے۔

مزید برآں، اس قانون کے تحت تشدد کے الزامات کی تحقیقات کا خصوصی اختیار وفاقی تحقیقاتی ادارے (ایف آئی اے) کو دیا گیا ہے، جس کے اعلیٰ افسران کا تعلق خود پولیس سروس سے ہوتا ہے۔ اس انتظام میں مفادات کے تصادم کے واضح خدشات موجود ہیں، تاہم ان سے نمٹنے کے لیے مؤثر حفاظتی اقدامات فراہم نہیں کیے گئے۔

اگرچہ قومی کمیشن برائے انسانی حقوق (این سی ایچ آر) کو ان تحقیقات کی نگرانی کی ذمہ داری سونپی گئی ہے، لیکن ایف آئی اے کی ادارہ جاتی خودمختاری سے متعلق خدشات احتساب کے عمل کو متاثر کرتے رہتے ہیں، جبکہ این سی ایچ آر کے نگرانی کے اختیارات بھی واضح نہیں ہیں۔

مزید یہ کہ، باقاعدہ نگرانی اور رپورٹنگ کے مؤثر نظام کے فقدان کے باعث آزادی سے محرومی کی جگہوں پر تشدد اور بدسلوکی کی حقیقی نوعیت اور وسعت پالیسی سازوں کے لیے بڑی حد تک غیر واضح رہتی ہے، جبکہ سول سوسائٹی اور بین الاقوامی احتسابی نظاموں کی رسائی بھی محدود ہو جاتی ہے۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق حکومتِ پاکستان سے مطالبہ کرتا ہے کہ:

1. تشدد اور دورانِ حراست ہلاکت (روک تھام اور سزا) ایکٹ میں ترمیم کرتے ہوئے ذہنی اور نفسیاتی درد و اذیت کو تشدد کا لازمی جزو تسلیم کیا جائے، نفسیاتی تشدد کے مرتکب افراد کے لیے فوجداری ذمہ داری اور متناسب سزائیں مقرر کی جائیں، اور نفسیاتی تشدد کے متاثرین کو مؤثر قانونی چارہ جوئی، بحالی نو اور دادرسی کے حقوق فراہم کیے جائیں، تا کہ پاکستان کی تشدد کے خلاف عالمی معاہدے کے تحت بین الاقوامی ذمہ داریوں کی تکمیل ہو سکے۔
2. مذکورہ ایکٹ اور 2025 کے قواعد میں ترمیم کر کے تشدد کے الزامات کی آزاد، فوری اور مؤثر تحقیقات کو یقینی بنایا جائے، غیر ضروری تاخیر کا باعث بننے والے عوامل کا سدِباب کیا جائے، قومی کمیشن برائے انسانی حقوق کے نگرانی کے اختیارات کو واضح کیا جائے، اور یہ یقینی بنایا جائے کہ جس ادارے پر تشدد کے الزامات ہوں، وہ تحقیقاتی عمل پر کسی بھی قسم کا خصوصی یا مکمل اختیار نہ رکھے۔
3. حکومت پاکستان تشدد کے خلاف عالمی معاہدے کے اختیاری پروٹوکول کی توثیق کرے اور ایک معتبر، خودمختار اور آزاد قومی نگرانی کا نظام قائم کرے جو باقاعدگی سے حراستی مراکز کا جائزہ لے، اپنی رپورٹیں عام عوام کے سامنے لائے، اور ان پر مؤثر عمل درآمد کو یقینی بنایا جائے۔

قلم آزاد

جی بھر کے نہتوں کے خون کی ہولی کھیلی

عشرہ 1/ بنی کشمیر کے عذاب

ادریس بابر

ملا مودی بولتا ہے تو منہ سے لفظ نہیں چھرے نکلتے ہیں
تاریخ کے چہرے پر جہاں صدیوں نئے گھاو گلتے ہیں
وادی کی سب نر اولادیں لالہ فرعون کے کام کی ہیں
ساری قراردادیں کاغذ کی، ساری صلحیں نام کی ہیں
باپ ہتھیلی پر وہ گولی سجائے بیٹھا ہے
جس نے جوان بیٹے کی جان لی
گلاب کے جھنڈ میں لا کر ذبح کیا،
شمر نے شبیر کی آخری خواہش مان لی
پہلے ہندو طالبان نے خوب
جی بھر کے نہتوں کے خون کی ہولی کھیلی
واؤ! وقت پہ بی بی سی والوں کو دیکھ کے
گن کی جگہ غلیل نے لے لی!
کشمیریوں کے لیے انڈیا پاکستان
دو عارضی، خطرناک جھوٹ ہیں
بھیڑیوں کے مذاکرات،
بھیڑوں کی نسل کشی کی کھلی چھوٹ ہیں

عشرہ 2:

کشمیر کے حق میں اکھل گاور کھشک پریشد کی تجاویز

جاری عمر قید سے تو کوئی خاص فرق نہیں پڑا
کشمیر کے حالات بہتر بنانے کے لیے بہتر ہوگا
کشمیریوں کو چن چن کے مار دیا جائے
غزہ کے بعد کسی کو کوئی اعتراض ہونا تو نہیں چاہیئے
بس کتا چینلوں کے آگے
دوچار اشتہای ہڈیاں پھینکنی پڑیں گی
کیوں نہ کشمیریوں کو عالمی منڈی میں بیچ ڈالا جائے
امریکہ روس چین جاپان عرب ایران۔۔۔
حتیٰ کہ افغانستان! جو بھی بڑھ کر بولی لگا دے
قیمتی زرِمبادلہ سے لانچ کریں گے ہم
بھارت ورش کا جدید ترین
راکٹ — دا GOOD GUY ماتا!
جو درست پیش گوئی کر سکے گا
ہمارے شدھ کشمیر کے پوتر موسم کی

رات ڈھلے گی

احمد فرہاد

تارا تارا یہ کہتا ہے رات ڈھلے گی
رات کے ماتھے پر لکھا ہے رات ڈھلے گی
صبح پرستو
خواب بدستو
نور کے رستو
تم نے بس یوں ہی چلنا ہے رات ڈھلے گی
رات کے ماتھے پر لکھا ہے رات ڈھلے گی
کل کا سورج ہم دیکھیں گے
سر ظلمت کا خم دیکھیں گے
اونچا اپنا علم دیکھیں گے
رات نے آخر کو ڈھلنا ہے رات ڈھلے گی
تارا تارا یہ کہتا ہے رات ڈھلے گی

غلامی آسمانوں سے نہیں اتری

شعیب کیانی

ڈرو اس وقت سے
تانگے کے آگے
بھاگتے گھوڑوں کو
جب آنکھوں پہ پہنے کھوپوں سے
باہر نظر آنے لگے گا
اور وہ چابک چلاتے کوچوانوں کے دکھائے
راستوں کو چھوڑ کر
اپنی منازل اپنے رستے خود بنائیں گے
تب ان پر چابکیں جتنی پڑیں سب بے اثر ہوں گی
ڈرو اس وقت سے
پنجرے میں بیٹھے سبز طوطے
اپنے مالک کی رٹائی بولیوں کو بھول کر
جب ایسے ایسے لفظ سیکھیں گے
جنہیں پڑھتے ہی
لوہے کی سلاخیں ٹوٹ جاتی ہیں
ڈرو اس وقت سے
سرکس کے شیروں کو
جب اک دن جنگلوں کی
پر فضا آزاد دنیا یاد آئے گی
تو وہ اپنے ہی ٹرینر کو دبوچیں گے
اور اس کی شاہ رگ میں دانت گاڑیں گے
ڈرو اس وقت سے
اے بالا دستو
جب تمہارے زیر دستوں کو
سمجھ آ جائے گی
ان پر غلامی آسمانوں سے نہیں اتری

صنفی آزادی، بدلتا فیشن، اور پاکستان کی منجمد سماجی ذہنیت

شمریزہ فیاض

وہ کپڑے جو ہم پہنتے ہیں، وہ جنگیں جو ہم لڑتے ہیں۔

کپڑے شناخت، ثقافت اور ذاتی آزادی کی ایک بصری زبان ہیں۔ تاہم پاکستان میں اس زبان کو بہت زیادہ ہتھیار بنایا گیا ہے۔ پاکستان میں عورت کا لباس ایک عدالت بن چکا ہے جہاں وہ بیک وقت ملزم بھی ہے، ثبوت بھی اور فیصلہ بھی۔ ۔ یہ ساختی تناؤ صنفی آزادی، بدلتے ہوئے فیشن اور منجمد سماجی سوچ کے فقرے کے ذریعے پکڑے گئے ایک گہرے تضاد کو فریم کرتا ہے—ایک ایسی حقیقت جہاں فیشن بظاہر تیار ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود اجتماعی سماجی ذہنیت وقت کے ساتھ ساتھ منجمد رہتی ہے۔

ہمیں بتایا جاتا ہے کہ تعلیم ایک پناہ گاہ ہے، لیکن بہت ساری طالبات اور کام کرنے والی خواتین کے لیے یہ میدان جنگ ہے۔

میں نے خواتین کی ایک یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی — پاکستان میں ایک ایسے ادارے پر والدین اندھا اعتماد کرتے ہیں، یہ یقین رکھتے ہوئے کہ ان کی بیٹیاں معاشرے کی شکاری نظروں سے محفوظ رہیں گی۔ پھر بھی، ان دیواروں کے اندر بھی، حقیقی حفاظت موجود نہیں تھی۔ معصوم لڑکیوں کو محض مغربی لباس پہننے یا سر نہ ڈھانپنے کی وجہ سے "فحاشی کا مقابلہ کرنے" کی آڑ میں معمول کے مطابق نشانہ بنایا جاتا ہے، ہراساں کیا جاتا ہے اور عوامی سطح پر ذلیل کیا جاتا ہے۔

قدامت پسند پروفیسروں کے میں ایک زہریلی، گہرائی سے جڑی ہوئی ذہنیت ہے جو ذاتی طرز کو اخلاقی تنزلی سے ہم آہنگ کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک، ایک طالب علم جو اس کی ظاہری شکل کا خیال رکھتا ہے، خود بخود "بری کمپنی" کے طور پر لیبل لگا دیا جاتا ہے، کوئی ایسا شخص جو مطالعہ نہیں کرتا ہے، یا کوئی عزت کے لائق نہیں ہے۔

ان معلمین کی طرف سے پہنچنے والا صدمہ ناقابل یقین حد تک گہرا ہے۔

میرے ایک قریبی دوست کو ایک پروفیسر نے تین اذیت ناک سالوں تک بے رحمی سے نشانہ بنایا۔ بریکنگ پوائنٹ اس وقت آیا جب پروفیسر نے لفظی طور پر اپنی کار کیمپس کے وسط میں روکی، اور کہا:

تم زندگی میں کبھی کامیاب نہیں ہو پاؤ گے کیونکہ تم صرف فیشن پر فوکس ہو۔ تمہیں دیکھو، تم نے شلوار قمیض بھی نہیں پہنی ہے۔"

ان الفاظ نے صرف تکلیف نہیں دی۔ انہوں نے اسے توڑ دیا۔ اس جملے نے اس کی روح کو کچل دیا، اور اس نے یونیورسٹی آنا ہی چھوڑ دیا۔ اُس کی تعلیم، اُس کے خواب اور اُس کا مستقبل ایک ہی لمحے میں چوری ہو گیا جس کی کوئی جانچ نہیں کی گئی۔ ایسا کیوں ہے کہ خواتین آزادانہ طور پر چل نہیں سکتیں، یہاں تک کہ ان کے لیے مخصوص جگہوں پر بھی؟ خواتین کی یونیورسٹیوں کے اندر پیدا ہونے والے ذہنی صحت کے شدید بحران پر معاشرہ خاموش کیوں ہے؟

یہ جذباتی جنگ گریجویشن پر ختم نہیں ہوتی۔ یہ خواتین کو سیدھا کام کی جگہ پر لے جاتا ہے۔ جس لمحے عورت اپنے کیریئر میں ترقی کرنے لگتی ہے، وسوسے شروع ہو جاتے ہیں۔ اور ساتھی اس کے کردار کے خلاف بدبودار مہم چلا کر، اس کی عزت نفس پر حملہ کر کے، اور اسے اپنے عزائم پر شرمندہ کرنے کی کوشش کر کے اس کی کامیابی کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

معاشرے نے عورت کی پوری قدر کو "شہرت اور وقار" کی من مانی تعریف سے جوڑ دیا ہے، صرف اسی تعریف کو اسے تباہ کرنے کے لیے بطور ہتھیار استعمال کرنا ہے۔ نتیجے کے طور پر، لاتعداد نوجوان لڑکیاں شدید اضطراب اور ڈپریشن کے چکروں میں پھنس جاتی ہیں، ان سے سیکھنے، بڑھنے اور پھلنے پھولنے کا حوصلہ چھن جاتا ہے

ایک پروفیسر کا فریضہ علم فراہم کرنا ہے، نہ کہ پرتشدد طریقے سے اپنے فرسودہ تعصّبات کو نئے ذہنوں پر مسلط کرنا۔ ان اداروں کو چلانے والوں اور Gen.Z آج کے نوجوان ایک عالمگیریت کی دنیا میں پیدا ہونے والوں کے درمیان نسلی دراڑ ہے۔ نمائش اور سوشل میڈیا سے لیس، وہ ایک بنیادی سچائی کو سمجھتے ہیں: یہ ایک بنیادی انسانی حق ہے کہ آپ اس بات کا انتخاب کریں کہ آپ کس طرح کا لباس پہنتے ہیں، آپ کیسے رہتے ہیں، اور آپ کیا مانتے ہیں۔

یہ خیال کہ محتاط لباس تحفظ دیتا ہے — محض غلط نہیں، خطرناک ہے۔

انسانی حقوق کمیشن پاکستان کی *اسٹیٹ آف ہیومن رائٹس *2025 کے مطابق گیارہ ماہ میں صنفی تشدد کے 6543 صنف واقعات رپورٹ ہوئے جن میں سے 78 فیصد صرف پنجاب میں ہوئے۔ رپورٹ میں 470 غیرت کے نام پر قتل، 3815 زیادتی کے واقعات اور 2586 سائبر ہراسانی کے کیسز درج ہیں۔ ریکارڈ شدہ تشدد کے 60"فیصد واقعات متاثرہ کے اپنے گھر میں" پیش آئے۔ لباس نہیں، احتساب کی غیر موجودگی اس تشدد کا سبب ہے۔

17 سالہ سوشل میڈیا انفلوئنسر ثنا یوسف کا قتل — جو 2 جون 2025 کو اسلام آباد میں ایک اسٹاکر کے ہاتھوں ہوا — اس کی واضح مثال ہے۔ اسلام آباد سیشن کورٹ نے مئی 2026 میں قاتل کو سزائے موت سنائی، مگر سماجی ردعمل میں متاثرہ کے لباس اور آن لائن موجودگی کو اس کے قتل کا جواز بنایا گیا — یہ وہی منجمد سماجی سوچ ہے۔ CEDAW اور آئینِ پاکستان کے آرٹیکل 25 کے تحت ظاہری اظہار بشمول لباس ایک محفوظ حق ہے

ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (HRCP) کی مئی 2026 کی سالانہ رپورٹ میں اس بات کی تفصیلات شامل ہیں کہ کس طرح گھریلو زیادتی اور سائبر ہراسمنٹ میں شدید اضافے نے ملک بھر میں خواتین کی ذہنی صحت کو گہرا نقصان پہنچایا ہے۔

معاشرے نے ایک تسلی بخش، منافقانہ جھوٹ پیدا کیا ہے: کہ مغربی لباس پہننے والی عورتیں مصیبت کو دعوت دیتی ہیں، جب کہ عبایہ پہننے والوں کا احترام کیا جاتا ہے۔ لیکن پاکستان کی سفاک حقیقت یہ ثابت کرتی ہے کہ ہراساں کرنے کا لباس سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے، اور ہر چیز کا تعلق بیمار، فیصلہ کن ذہنیت سے ہے۔

بند دروازوں کے پیچھے لاتعداد خواتین کو ہر روز اپنے شوہروں کی طرف سے خوفناک بدسلوکی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور وہ روایتی شلوار قمیض پہنتی ہیں

۔ ڈبلیو ایچ او کے 2025-2024 کے جائزے کے مطابق، پاکستان میں 37 فیصد سے زیادہ خواتین شدید پریشانی اور ڈپریشن کی طبی علامات ظاہر کرتی ہیں جو مسلسل کمزوریوں سے پیدا ہوتی ہیں۔

کسی کو — کوئی پروفیسر، کوئی ساتھی، سڑک پر کوئی اجنبی — کسی انسان کو ہراساں کرنے کا مفت پاس نہیں ملتا ہے۔ عورت کا لباس کبھی بھی دعوت نہیں دیتا، اور اب وقت آ گیا ہے کہ ہم مظلوم پر الزام لگانا چھوڑ دیں تاکہ ظالم کے ظلم کو معاف کر سکیں

ابھرتے ہوئے طرز زندگی اور منجمد سماجی ذہنیت کے درمیان فرق کو ختم کرنے کے لیے، پاکستان کو معاشرے کے متعدد شعبوں میں ساختی اصلاحات کی ضرورت ہے۔ تعلیمی اداروں کو لازمی، عمر کے مطابق نصاب کا متعارف کرانا چاہیے جس میں ذاتی حدود، رضامندی، اور صنفی مساوات پر توجہ مرکوز کی جائے تاکہ ابتدائی زندگی میں عصمت دری کی گہرائیوں والی کہانیوں کو ختم کیا جا سکے

۔خواتین کے لباس کے انتخاب کو اخلاقی فیصلوں کے طور پر دیکھتے ہوئے کوئی ملک جدید ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

اس سے پیدا کی گئی عالمی نسل کی مذمت کرتے ہوئے ایک منجمد سماجی ذہنیت جو عورت کے لباس کو اس کے کردار سے جوڑتی ہے — اور اس کے کردار کو اس سے پاکستان کے جین زیڈ نے تکنیکی طور پر ایک دوسرے سے جڑی ہوئی دنیا میں پیدا ہونے کا انتخاب نہیں کیا۔`

اس میں پیدا ہوا. وہ وہی پہنیں گے جو وہ پہنتے ہیں، جو وہ پسند کرتے ہیں اس سے پیار کرتے ہیں، اور شناخت کو مزید تہہ دار بناتے ہیں۔

یہ نہیں کہ یہ نسل بدلے گی۔ وہ پہلے ہی موجود ہیں۔ انتخاب یہ ہے کہ ادارے، قوانین، اور پرانی نسل کو ان کے ساتھ تبدیل کرنے کی ہمت ہو۔

بچپن کو مشقت نہ بنایا جائے

پاکستان میں چائلڈ لیبر ایک پیچیدہ سماجی اور معاشی مسئلہ ہے

مدثر احمد

ہر سال 12 جون کو دنیا بھر میں بچوں سے مشقت کے خاتمے کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔ اس دن کا مقصد حکومتوں، نجی شعبے، سول سوسائٹی، والدین اور عوام کی توجہ اس حقیقت کی جانب مبذول کرانا ہے کہ بچوں کے بچپن کو مشقت کی نذر نہ کیا جائے کیونکہ عدم توجہ اور اجتماعی و انفرادی غفلت کے باعث ہزاروں، لاکھوں بچے آج تعلیم، تحفظ اور صحت مند بچپن کے بنیادی حقوق سے محروم ہو کر مزدوری کرنے پر مجبور ہیں۔ بچے قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں ان کو کچرہ نہ بنایا جائے۔

2026 میں بھی عالمی برادری اس عزم کا اعادہ کر رہی ہے کہ ہر بچے کو استحصال سے پاک، محفوظ اور باوقار زندگی فراہم کی جائے۔ پاکستان میں چائلڈ لیبر ایک پیچیدہ سماجی اور معاشی مسئلہ ہے، جس کی جڑیں غربت، عدم مساوات، کمزور سماجی تحفظ، والدین کی غفلت اور مزدوروں کے استحصال میں پیوست ہیں۔ جب خاندانوں کی آمدن بنیادی ضروریات پوری کرنے کے لیے ناکافی ہوتی ہے تو اکثر بچوں کو بھی روزگار کی منڈی میں دھکیل دیا جاتا ہے۔ اس لیے چائلڈ لیبر کو صرف بچوں کا مسئلہ سمجھنا کافی نہیں، بلکہ اسے مزدوروں کے حقوق اور معاشی انصاف کے تناظر میں بھی دیکھنا ضروری ہے۔

12 جون صرف ایک یادگاری دن نہیں بلکہ عمل کا مطالبہ کرتا ہے۔ بچوں سے مشقت کا خاتمہ محض فلاحی مقصد نہیں بلکہ پائیدار ترقی، معاشی استحکام اور سماجی انصاف کی بنیاد ہے۔ ہر بچہ تعلیم، تحفظ، کھیل اور ترقی کے مواقع کا حق دار ہے۔ اگر ہم واقعی چائلڈ لیبر کے خاتمے کے خواہاں ہیں تو ہمیں مزدوروں کے حقوق، سماجی تحفظ، معیاری تعلیم اور مؤثر قانون سازی کو ایک مربوط حکمتِ عملی کے طور پر اپنانا ہوگا۔

پاکستان کا قانونی فریم ورک بچوں کے تحفظ اور مزدوروں کے حقوق دونوں کو تسلیم کرتا ہے۔ آئینِ پاکستان بچوں کے استحصال کی ممانعت کرتا ہے جبکہ مختلف لیبر قوانین کم از کم اجرت، محفوظ کام کے ماحول اور سماجی تحفظ کی ضمانت دیتے ہیں۔ اس کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ ملک کی بڑی افرادی قوت غیر رسمی شعبوں میں کام کر رہی ہے جہاں قوانین کا نفاذ کمزور اور نگرانی کا نظام محدود ہے۔ یہی خلا مزدوروں اور ان کے بچوں دونوں کو غیر محفوظ بناتا ہے۔

چائلڈ لیبر کے خاتمے کے لیے ضروری ہے کہ بالغ مزدوروں کو منصفانہ اجرت اور باعزت روزگار کے مواقع فراہم کیے جائیں۔ بین الاقوامی تحقیقی مطالعے بارہا اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ جب والدین کی آمدن بہتر ہوتی ہے تو بچوں کے اسکول جانے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں اور انہیں مزدوری پر مجبور کرنے کا دباؤ کم ہو جاتا ہے۔ اس تناظر میں مزدوروں کے حقوق کا تحفظ دراصل بچوں کے حقوق کے تحفظ کی بھی ایک مؤثر حکمتِ عملی ہے۔

اس مقصد کے حصول کے لیے پاکستان کو اپنے لیبر گورننس نظام کو مزید مضبوط بنانا ہوگا۔ لیبر انسپیکشن سسٹم کو جدید خطوط پر استوار کرنا، شکایات کے مؤثر اور شفاف نظام متعارف کرانا، اور زیادہ خطرے والے شعبوں کی مؤثر نگرانی کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ ڈیجیٹل رپورٹنگ سسٹمز اور مرکزی کمپلائنس ڈیٹا بیس شفافیت اور جوابدہی کو بہتر بنا سکتے ہیں۔

نجی شعبے کا کردار بھی نہایت اہم ہے۔ کاروباری اداروں کو اپنی سپلائی چینز میں چائلڈ لیبر کے خطرات کی نشاندہی اور روک تھام کے لیے مؤثر اقدامات کرنا ہوں گے۔ خاص طور پر برآمدی صنعتوں میں ذمہ دار کاروباری طرزِ عمل اور بین الاقوامی لیبر معیارات کی پابندی نہ صرف مزدوروں کے حقوق کے تحفظ میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے بلکہ عالمی منڈیوں میں پاکستان کی ساکھ کو بھی بہتر بنا سکتی ہے۔

پاکستان میں لاکھوں بچے آج بھی تعلیم سے محروم ہیں۔ جب معیاری اور مفت تعلیم تک رسائی محدود ہو تو بچوں کے لیے مزدوری کا خطرہ مزید بڑھ جاتا ہے۔ اس لیے چائلڈ لیبر کے خاتمے کی کسی بھی حکمتِ عملی میں تعلیم کو مرکزی حیثیت دینا ناگزیر ہے۔ فعال اسکول، تربیت یافتہ اساتذہ، محفوظ تعلیمی ماحول اور معاشی طور پر کمزور خاندانوں کے لیے تعلیمی معاونت بچوں کو مزدوری سے نکال کر کلاس روم تک لانے میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

اسی طرح سماجی تحفظ کے پروگراموں کو بھی وسعت دینے کی ضرورت ہے۔ ایسے پروگرام جو بچوں کی اسکول حاضری سے منسلک مالی معاونت فراہم کرتے ہیں، دنیا کے مختلف ممالک میں مؤثر ثابت ہوئے ہیں۔ پاکستان میں بھی ان اقدامات کو مزید مضبوط اور وسیع پیمانے پر نافذ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ کمزور خاندان معاشی دباؤ کے باعث اپنے بچوں کو مزدوری پر نہ بھیجیں۔

12 جون صرف ایک یادگاری دن نہیں بلکہ عمل کا مطالبہ کرتا ہے۔ بچوں سے مشقت کا خاتمہ محض فلاحی مقصد نہیں بلکہ پائیدار ترقی، معاشی استحکام اور سماجی انصاف کی بنیاد ہے۔ ہر بچہ تعلیم، تحفظ، کھیل اور ترقی کے مواقع کا حق دار ہے۔ اگر ہم واقعی چائلڈ لیبر کے خاتمے کے خواہاں ہیں تو ہمیں مزدوروں کے حقوق، سماجی تحفظ، معیاری تعلیم اور مؤثر قانون سازی کو ایک مربوط حکمتِ عملی کے طور پر اپنانا ہوگا۔

پاکستان ایک اہم موڑ پر کھڑا ہے۔ اگر ریاست، نجی شعبہ، سول سوسائٹی اور عوام مل کر بچوں کو مشقت کے استحصال سے آزاد کرانے اور مزدور خاندانوں کو بااختیار بنانے کے لیے سنجیدہ اقدامات کریں تو ایک ایسا مستقبل تشکیل دیا جا سکتا ہے جہاں ہر بچہ کتاب اٹھائے، اوزار نہیں؛ خواب دیکھے، مزدوری نہیں۔

لاہور میں گرمی کی شدت اور درختوں کی اہمیت

رضا شاہ

اس تباہی کی سب سے بڑی وجہ شہر کا سیمنٹ اور کنکریٹ کا جنگل بن جانا اور درختوں کی بے دریغ کٹائی ہے

لاہور کو کبھی "باغوں کا شہر" کہا جاتا تھا۔ شہر کے چاروں طرف باغات تھے، نہروں کے کنارے درختوں کی قطاریں تھیں، اور سڑکوں پر گھنا سایہ ہوتا تھا۔ مگر آج یہی لاہور شدید گرمی کی لپیٹ میں ہے۔ مئی اور جون میں درجہ حرارت 45 سے 48 ڈگری سینٹی گریڈ تک پہنچ جاتا ہے۔ دوپہر کو لو چلتی ہے، سڑکیں تپتی ہیں، اور رات کو بھی گرمی سے سکون نہیں ملتا۔ اس تباہی کی سب سے بڑی وجہ شہر کا سیمنٹ اور کنکریٹ کا جنگل بن جانا اور درختوں کی بے دریغ کٹائی ہے۔

گرمی بڑھنے کی وجوہات

1۔ درختوں کی کمی

پچھلے 20 سال میں لاہور کے باغات، نہری پٹی اور سڑکوں کے کنارے سے ہزاروں درخت کاٹ دیے گئے۔ درخت قدرت کا ایئر کنڈیشنر ہیں۔ ایک بڑا درخت روزانہ اتنی ٹھنڈک پیدا کرتا ہے جتنی 5 ایئر کنڈیشنر کرتے ہیں۔

2۔ کنکریٹ کا جنگل

اب ہر طرف عمارتیں، سڑکیں اور چھتیں ہیں۔ کنکریٹ دن بھر دھوپ جذب کرتی ہے اور رات کو وہی گرمی واپس خارج کرتی ہے۔ سائنس اسے "اربن ہیٹ آئی لینڈ" کہتی ہے۔

3۔ گاڑیوں اور فیکٹریوں کا دھواں

لاکھوں گاڑیاں، رکشے اور جنریٹر روزانہ ہزاروں ٹن کاربن اور گرمی فضا میں چھوڑ رہے ہیں۔

4۔ پانی کی کمی

نہریں خشک ہو رہی ہیں، پارک ویران پڑے ہیں۔ جہاں پانی اور ہریالی نہ ہو، وہاں ٹھنڈک کیسے آئے گی؟

گرمی کے نقصانات

شدید گرمی صرف بے چینی نہیں لاتی، جان لیوا بھی ہے۔ ہیٹ اسٹروک، پانی کی کمی، بلڈ پریشر اور دل کے مریضوں کی اموات میں خطرناک اضافہ ہو رہا ہے۔ بجلی کا بل آسمان کو چھو رہا ہے کیونکہ ہر گھر میں اے سی چل رہا ہے۔ غریب مزدور، ریڑھی والا اور سکول جانے والے بچے سب سے زیادہ متاثر ہو رہے ہیں۔

حل: زیادہ سے زیادہ درخت لگائیں

گرمی کا مستقل علاج اے سی نہیں، درخت ہے۔ درخت لگانا صدقہ جاریہ بھی ہے اور لاہور کو بچانے کا واحد راستہ بھی۔

1۔ ہر شہری ایک درخت

اگر لاہور کا ہر فرد سال میں صرف ایک پودا لگائے اور 3 سال اس کی حفاظت کرے، تو ایک کروڑ درخت بڑھ جائیں گے۔

2۔ مقامی درخت لگائیں

نیم، پیپل، برگد، شیشم، سوہانجنا اور بکائن کے درخت کم پانی مانگتے ہیں اور بہت زیادہ سایہ دیتے ہیں۔ کنو اور املتاس بھی خوبصورت اور فائدہ مند ہیں۔

> **شدید گرمی صرف بے چینی نہیں لاتی، جان لیوا بھی ہے۔ ہیٹ اسٹروک، پانی کی کمی، بلڈ پریشر اور دل کے مریضوں کی اموات میں خطرناک اضافہ ہو رہا ہے۔ بجلی کا بل آسمان کو چھو رہا ہے کیونکہ ہر گھر میں اے سی چل رہا ہے۔**

3۔ ہر خالی جگہ استعمال کریں

گھر کے صحن، سکول، کالج، مسجد اور مدرسے کی جتنی جگہ ملے، درخت لگائیں۔ چھت پر گملوں میں بھی پودے لگائے جا سکتے ہیں۔

4۔ حکومت کا کردار

پارکس بنائے جائیں، نہروں کے کنارے شجرکاری کی جائے، اور درخت کاٹنے پر سخت جرمانہ لگایا جائے۔

نتیجہ

گرمی کو اے سی سے نہیں، درخت سے ہرایا جا سکتا ہے۔ اگر ہم نے آج درخت نہ لگائے تو 10 سال بعد لاہور میں سانس لینا مشکل ہو جائے گا۔ اب ہمیں فیصلہ کرنا ہے: کیا ہم کنکریٹ کا بنجر شہر چاہتے ہیں یا "باغوں کا لاہور" واپس لانا ہے؟ آیئے، آج ہی عہد کریں کہ ہم ہر ماہ ایک پودا لگائیں گے اور اس کی حفاظت کریں گے۔ یہی ہمارے بچوں کے لیے بہترین تحفہ ہوگا۔

جہدحق پڑھنے والے توجہ کریں

- آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا۔

جو خامیاں/ کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔

- آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ/ اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کر کے بذریعہ ڈاک روانہ کر سکتے ہیں۔ حقائق اچھی طرح سے تصدیق کر کے لکھیں۔

HRCP کارکن متوجہ ہوں

''جہدحق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتہ تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جا سکے۔

جہدحق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے ویب سائٹ پر موجود ہیں۔ پتہ:

www.hrcp-web.org

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوان جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،

نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

جبری گمشدگی کا سنگین معاملہ

خیبر ضلع خیبر کی تحصیل باڑہ کے علاقے باز گھڑہ کمر خیل تودہ چینی سے تعلق رکھنے والے حیات خان ولد جانس خان، قبیلہ آفریدی کمر خیل، 9 جنوری 2026 بروز جمعہ شام تقریباً چار بجے سے لاپتہ ہیں۔ خاندانی ذرائع کے مطابق حیات خان کو ضلع خیبر، تحصیل باڑہ کی پولیس اپنے ساتھ لے گئی، تاہم اس کے بعد سے ان کے بارے میں کوئی اطلاع فراہم نہیں کی گئی۔ اہل خانہ کا کہنا ہے کہ گرفتاری یا حراست کی وجہ بھی تاحال نامعلوم ہے اور نہ ہی ان سے کسی کی ملاقات کروائی گئی ہے۔ حیات خان ایک محنت کش شہری ہیں جو مرغی فارم کے کاروبار سے وابستہ تھے اور اپنے خاندان کا واحد ذریعہ آمدنی تھے۔ ان کی گمشدگی نے گھر والوں کو شدید ذہنی اذیت اور بے یقینی میں مبتلا کر دیا ہے۔ کئی ماہ گزرنے کے باوجود خاندان اپنے پیارے کی واپسی کا منتظر ہے اور ہر دروازہ کھٹکھٹا چکا ہے۔ جبری گمشدگیاں نہ صرف متاثرہ فرد بلکہ پورے خاندان کے بنیادی انسانی حقوق کو متاثر کرتی ہیں۔ قانون کی حکمرانی کا تقاضا ہے کہ اگر کسی شخص پر کوئی الزام ہے تو اسے عدالت میں پیش کیا جائے اور اس کے قانونی حقوق کا تحفظ کیا جائے۔ ہم اہل خانہ، انسانی حقوق کے اداروں، میڈیا اور متعلقہ حکام سے اپیل کرتے ہیں کہ حیات خان کی گمشدگی کا نوٹس لیا جائے، ان کی موجودہ حالت کے بارے میں معلومات فراہم کی جائیں اور انہیں فوری طور پر اپنے خاندان سے ملنے کا موقع دیا جائے۔ دوسری طرف لاپتہ ساتھیوں نوراللہ ترین اور حنیف پشتین کے عزیز و اقارب کا کہنا ہے کہ 205 دن گزر گئے، مگر ہمارے ساتھی کہاں ہیں؟ پشاور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کے حکم پر قائم جے آئی ٹی میں ہم ایک بار پھر اپنے لاپتہ ساتھیوں نوراللہ ترین اور حنیف پشتین کے معاملے میں ڈی آئی جی کے دفتر میں پیش ہوئے۔ لیکن افسوس کہ چار اجلاس ہونے کے باوجود متعلقہ اداروں کے نمائندے حاضر نہیں ہوئے۔ آج ہمارے ساتھیوں کی جبری گمشدگی کو 205 دن ہو چکے ہیں، مگر اب تک نہ ان کے بارے میں کوئی معلومات دی گئی ہیں اور نہ ہی ان کی خیریت سے متعلق کوئی جواب ملا ہے۔ تین گھنٹے انتظار کے بعد بھی آئی ایس آئی، آئی بی اور ایم آئی کے اہلکار میٹنگ میں نہ آئے، اور آخر کار ہمیں یہ کہہ کر واپس بھیج دیا گیا کہ "لوگ نہیں آئے"۔ ہم پوچھتے ہیں: اگر متعلقہ ادارے خود پیش نہیں ہوتے تو ہمیں بار بار کیوں بلایا جاتا ہے؟ ہمارے خاندانوں اور ساتھیوں کو مزید اذیت کیوں دی جاتی ہے؟ ہم واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ہم نہ تھکے ہیں، نہ مایوس ہوئے ہیں۔ اپنے لاپتہ ساتھیوں کی بازیابی اور انصاف کے حصول کے لیے ہماری جدوجہد جاری رہے گی۔ جبری گمشدگیاں ناقابلِ قبول ہیں۔ نوراللہ ترین اور حنیف پشتین کو فوری رہا کیا جائے۔ (مسعود شاہ)

کچرا چننے والے محنت کشوں کو حقوق دلانے کا تربیتی منصوبہ

پاکستان میں ہر سال پانچ کروڑ ٹن سے زیادہ ٹھوس کچرا پیدا ہوتا ہے جس میں ہر سال تقریباً 2.4 فیصد اضافہ ہو رہا ہے۔ عالمی ادارہ محنت (آئی ایل او) پاکستان میں کچرا چننے والے غیر رسمی کارکنوں کے کام کو باضابطہ بنانے میں مدد دے رہا ہے جس سے کوڑا کرکٹ کی ری سائیکلنگ، ماحولیاتی پائیداری اور روزگار کو فروغ ملے گا۔ اس مقصد کے لیے 'تنظیم سازی اور رسم بندی کے ذریعے حقوق و سماجی شمولیت کے فروغ کے اقدام' (پی آر ایس) کے تحت صوبہ پنجاب کے شہر ساہیوال میں ایک منصوبہ شروع کیا گیا ہے جسے جاپانی حکومت کی مالی معاونت حاصل ہے۔ 'پاکستان یونائیٹڈ ورکرز فیڈریشن (پی یو ڈبلیو ایف) کے ذیلی ادارے لیبر ریسرچ اینڈ ڈیولپمنٹ انسٹی ٹیوٹ (ایل آر ڈی آئی) اور اختر حمید خان فاؤنڈیشن کے اشتراک سے شروع کردہ اس منصوبے کے تحت 27 اپریل سے 2 مئی تک صوبائی دارالحکومت لاہور میں تربیت کاروں کے لیے تربیتی ورکشاپ کا اہتمام کیا گیا۔ اس ورکشاپ میں 25 افراد نے حصہ لیا جن میں سرکاری اداروں اور آجر و مزدور تنظیموں کے نمائندے اور تکنیکی ماہرین شامل تھے۔ اس اقدام کے ذریعے ملک میں غیر رسمی معیشت سے وابستہ کارکنوں کے لیے شراکتی نمونے کو فروغ دینے کے مواقع اور مسائل پر تبادلہ خیال کیا گیا۔ اس منصوبے سے متعلق 'آئی ایل او' کی تکنیکی افسر ہی جن آن نے کہا ہے کہ یہ شراکتی نمونہ ان لوگوں کو کوڑا کرکٹ چننے کی باضابطہ خدمات فراہم کرنے والے کارکنوں میں تبدیل کرنے کا موثر راستہ فراہم کرتا ہے۔ اس کی بدولت ری سائیکلنگ اور قابل استعمال کچرے کے حصول کی کوششوں کو بہتر بنایا جا سکتا ہے اور روزگار کی فراہمی کے علاوہ ماحولیاتی پائیداری میں بھی مدد ملتی ہے۔

آمدنی اور حالات کار میں بہتری کا اقدام

پاکستان میں ہر سال پانچ کروڑ ٹن سے زیادہ ٹھوس کچرا پیدا ہوتا ہے جس میں ہر سال تقریباً 2.4 فیصد اضافہ ہو رہا ہے۔ کچرا چننے والے کارکن اس کا بڑا حصہ جمع کرنے، چھانٹنے اور قابل استعمال مواد کو الگ کرنے کا کام انجام دیتے ہیں۔ ری سائیکلنگ کے پورے عمل میں ان کا اہم کردار ہوتا ہے جو کچرا ٹھکانے لگانے کی جگہوں سے بھی قابل استعمال اشیا نکالتے ہیں۔ اس طرح بلدیاتی اداروں پر کچرے کے بوجھ میں کمی آتی ہے۔ یہ شعبہ زیادہ تر خاندانی اور چھوٹے کاروباروں پر مشتمل ہے اور معاشرے کے محروم طبقات کے لیے روزگار کا ذریعہ بنتا ہے۔ ان میں سے بہت سے لوگ مشکل اور غیر محفوظ حالات میں کام کرنے پر مجبور ہیں۔ ان کی قانونی شناخت محدود، آمدنی کم اور سماجی تحفظ و بنیادی سہولیات تک رسائی نہ ہونے کے برابر ہے۔ اجتماعی طور پر شراکتی نظام کے تحت کام کرنے سے کچرا چننے والے کارکن اپنی آواز مضبوط بنا سکتے ہیں، آمدنی اور کام کے حالات بہتر کر سکتے ہیں اور مارکیٹ، سہولیات اور سماجی تحفظ تک بہتر رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔

کچرے کی تلفی میں باضابطہ شراکت دار

ورکشاپ میں شریک ایمپلائرز فیڈریشن آف پاکستان کے نمائندے سید ابان نے کہا کہ اس شراکتی نظام کے تحت یہ کارکن متحد ہو کر اپنے کام کو وسعت دے سکتے ہیں اور اخراجات میں کمی لا سکتے ہیں جو انفرادی طور پر ممکن نہیں ہوتا۔

یہ ورکشاپ مقامی تربیت کاروں اور مددگاروں کا ایک ایسا نیٹ ورک تشکیل دینے کی جانب اہم قدم ثابت ہوئی جو پاکستان میں پالیسی سازی اور پروگراموں میں شراکتی نمونوں کو شامل کرنے اور ان پر عملدرآمد میں معاونت فراہم کر سکیں گے۔ اس اقدام کے آئندہ مرحلے میں یہ لوگ اسلام آباد اور ساہیوال میں کوڑا کرکٹ چننے کے کام سے وابستہ غیر رسمی کارکنوں کو تربیت دیں گے۔ اس کے ساتھ، قومی اور مقامی سطح کے حکام کی مدد سے ایسے مواقع بھی تلاش کیے جائیں گے جن کے ذریعے ان کارکنوں کو کوڑا کرکٹ اٹھانے اور تلف کرنے کے نظام میں باضابطہ شراکت دار کے طور پر قانونی حیثیت دی جا سکے گی۔

(بشکریہ یو این خبرنامہ)

ہاری بازیاب

گلگت 8 جون کو کنری پولیس نے سیشن کورٹ عمرکوٹ کے حکم پر ڈڑیلو کے قریب زمیندار گل زمان چانڈیو کی زرعی زمین پر چھاپہ مار کر جبری مشقت کے شکار کولہی قبیلے کے 32 ہاری افراد کو بازیاب کرالیا۔ بازیاب ہونے والوں میں 6 مرد، 7 عورتیں اور 19 بچے شامل ہیں۔ یہ قانونی کارروائی ھرچند کولہی کی درخواست پر کی گئی۔ ہاریوں نے الزام لگاتے ہوئے کہا کہ زمیندار حساب کتاب نہیں کرتا تھا اوران سے زبردستی جبری مشقت کراتا تھا۔ بیماری کی صورت میں ان کا علاج بھی نہیں کروایا جاتا تھا۔ (نامہ نگار)

ہاری بازیاب

بدین صوبہ سندھ کے علاقے بدین میں حالیہ دنوں میں احمدیوں کے خلاف نفرت وتعصب کے واقعات میں ایک تیزی دیکھی جارہی ہے۔ زندہ احمدیوں کے حقوق تو ایک طرف دنیا سے گزرنے والے احمدی بھی شرپسند عناصر کے ظلم وستم سے محفوظ نہیں۔ 6 جون 2026ء، بروز ہفتہ، ایک احمدی شمس الدین گرگیز صاحب ساکن ٹنڈو باگو، خدا آباد ضلع بدین کا انتقال ہوگیا تھا۔ رات تقریباً ساڑھے نو بجے بجے ان کا جسدِ خاکی خدا آباد ہسپتال سے گاؤں لایا گیا۔ رات تقریباً پونے گیارہ بجے متعلقہ تھانہ کا ایس ایچ او غلام حیدر پنہور پولیس موبائل کے ہمراہ گاؤں پہنچا اور اس نے احمدیوں پر دباؤ ڈالتے ہوئے کہا کہ مخالف مولوی پولیس پر شدید دباؤ ڈال رہے ہیں کہ احمدی متوفی کا جنازہ نہ پڑھایا جائے اور نہ ہی تعزیت کے لیے آنے والے مہمانوں کے لیے چٹائیاں بچھا کر تین دن کا روایتی سوگ منایا جائے۔ گاؤں کے احمدیوں نے پولیس کے اس غیر قانونی مطالبے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور انہیں واضح کیا کہ یہ مطالبات قانون کے سراسر خلاف ہیں اور ہمیں بھی اپنے بنیادی اور آئینی حقوق حاصل ہیں۔ اس سے قبل خدا آباد ضلع بدین میں ایک احمدی محمد خان صاحب کی وفات 16 مئی 2026 کو ہوئی۔ تعزیت کے لئے آنے والے مہمانان کے لیے لگے ٹینٹ پولیس نے اتار دئے تھے اور کہا تھا کہ مولویوں کا کہنا ہے کہ اس سے ان کی دل آزاری ہوتی ہے۔ یہ دونوں واقعات انتہائی تشویشناک ہیں اور صوبہ سندھ کی رواداری کی روایت پر کاری ضرب ہیں۔ پولیس کی جانب سے انتہا پسندوں کا آلہ کار بن کر احمدیوں سے ایسا نامناسب، غیر قانونی اور غیر اخلاقی سلوک قابل مذمت ہے۔ ریاستی اداروں کا بنیادی فرض ہر شہری کے دستوری حقوق کا تحفظ ہونا چاہئے نہ یہ کہ معاشرے میں تفریق اور نفرت پھیلانے والے عناصر کی خوشنودی کے لئے طاقت کا استعمال کریں۔ انسانی حقوق کے کارکنان خصوصا صوبہ سندھ سے تعلق رکھنے والوں سے گذارش ہے کہ اس ضمن میں آواز اٹھائیں کہ ہر قسم کی انتہا پسندی کی نہ صرف صوبہ سندھ بلکہ سارے وطن عزیز میں اس منفی رجحان کو ختم کیا جائے۔ (عامر محمود)

مزدوروں کو عالمی معاہدے کے تحت ہڑتال کا حق حاصل، عالمی عدالت انصاف

عالمی عدالت انصاف (آئی سی جے) نے دنیا بھر میں آجروں اور محنت کشوں کے درمیان طویل تنازع کو نمٹاتے ہوئے اپنی قانونی مشاورتی رائے دی ہے کہ مزدوروں کو 'عالمی ادارہ محنت' (آئی ایل او) کے بنیادی کنونشن کے تحت اپنے مطالبات منوانے کے لیے ہڑتال کا حق حاصل ہے۔ عالمی عدالت نے 10 کے مقابلے میں 4 ووٹوں سے قرار دیا ہے کہ مزدوروں اوران کی تنظیموں کے پاس ہڑتال کا حق 'انجمن سازی اور تنظیم سازی سے متعلق حق کے تحفظ بارے 1948 کے کنونشن 87 کے تحت محفوظ ہے۔ تاہم، عدالت نے اپنی اس رائے کے ساتھ ہڑتال کے درست مفہوم، دائرہ کار اس حق کے استعمال سے متعلق کسی طرح کی شرائط طے نہیں کیں۔ یہ معاملہ نومبر 2023 میں 'آئی ایل او' کی گورننگ باڈی نے عدالت کے سامنے بھیجا تھا۔ ادارے کے تینوں بنیادی فریقین یعنی حکومتوں، آجر تنظیموں اور مزدور نمائندوں کے درمیان برسوں سے اس بات پر اختلاف چلا آ رہا تھا کہ آیا کنونشن 87 ہڑتال کے حق کو تحفظ دیتا ہے یا نہیں جبکہ اس میں ہڑتال کا لفظ صراحت کے ساتھ موجود نہیں ہے۔

تنازع کی بنیاد

فریقین میں بنیادی اختلاف اس سوال پر تھا کہ آیا کنونشن 87 میں دیے گئے تنظیم سازی کے حق میں مزدوروں اوران کی تنظیموں کا ہڑتال کرنا بھی شامل ہے یا نہیں۔ آجر تنظیموں کا مؤقف تھا کہ کنونشن میں ایسی کوئی شق موجود نہیں جس کے عام مفہوم سے ہڑتال کے حق کا اشارہ ملتا ہو اور نہ ہی معاہدے کی تیاری کی تاریخ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں ہڑتال کے حق کو شامل کرنے کا ارادہ تھا۔ اس سے برعکس، مزدور نمائندوں کا کہنا تھا کہ ہڑتال کا حق تنظیم سازی کی آزادی کا لازمی حصہ ہے اور 'آئی ایل او' کے نگران ادارے طویل عرصہ سے اسے تسلیم کرتے آئے ہیں۔ ادارے نے کہا ہے کہ اس کی گورننگ باڈی نومبر میں ہونے والے اجلاس میں اس معاملے اور مستقبل کے ممکنہ اقدامات پر غور کرے گی۔

عدالت کی دلیل

عدالت نے تسلیم کیا ہے کہ کنونشن 87 میں ہڑتال کے حق کا کوئی واضح ذکر موجود نہیں، لیکن اس نے یہ بھی قرار دیا ہے کہ کسی شق کا واضح طور پر موجود نہ ہونا اس بات کا ثبوت نہیں کہ وہ معاملہ معاہدے کے دائرے سے خارج ہے۔

ججوں نے قرار دیا کہ ہڑتال کو کنونشن میں مذکور مزدور تنظیموں کی سرگرمیوں کے عام مفہوم میں شامل سمجھا جا سکتا ہے۔ اس ضمن میں خاص طور پر وہ شقیں اہم ہیں جو مزدوروں اور آجروں کو تنظیمیں بنانے اور اپنے مفادات کے دفاع کا حق دیتی ہیں۔

ججوں میں اختلاف

اگرچہ تمام جج اس بات پر متفق تھے کہ عدالت کو اس معاملے کی سماعت کا اختیار حاصل ہے اور اسے 'آئی ایل او' کی درخواست کا جواب دینا چاہیے تاہم چار ججوں نے بنیادی فیصلے سے اختلاف کیا۔

جج پیٹر ٹومکا نے کہا کہ اکثریتی فیصلہ کنونشن کی تشریح کو ریاستوں کی اصل رضامندی سے آگے لے گیا ہے۔ یہ معاہدہ مزدور اور آجر تنظیموں کے قیام، خودمختاری اور داخلی نظم ونسق کا تحفظ تو کرتا ہے مگر ہڑتال جیسی مخصوص اجتماعی معاشی کارروائیوں کا حق نہیں دیتا۔

جج زوے بینکن نے بھی فیصلے پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ یہ معاہدے کی تشریح سے زیادہ انسانی حقوق کی وکالت معلوم ہوتا ہے۔ عدالت کو کنونشن کے متن اور اس کی تیاری کی تاریخ پر زیادہ توجہ دینا چاہیے تھی۔

یہ 'آئی ایل او' کی تاریخ میں دوسرا موقع ہے کہ کسی بین الاقوامی مزدور کنونشن کی تشریح سے متعلق سوال عدالت کے سپرد کیا گیا۔ 1945 میں عالمی عدالت کے قیام کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ ایسا معاملہ اس کے روبرو لایا گیا ہے۔

(بشکریہ یو این خبرنامہ)

تیراہ متاثرین کی باعزت واپسی کا مطالبہ

خیبر وادی تیراہ سیاسی اتحاد نے حکومت اور متعلقہ اداروں سے مطالبہ کیا ہے کہ تیراہ متاثرین کی باعزت واپسی کے لیے فوری طور پر باقاعدہ نوٹیفکیشن جاری کیا جائے تاکہ بے گھر خاندان اپنے آبائی علاقوں میں عزت و وقار کے ساتھ واپس جا سکیں۔ یہ مطالبہ تیراہ سیاسی اتحاد کے مشران زاہد خان، صاحب خان، شرافگن اور سعید خان سمیت دیگر رہنماؤں نے ڈسٹرکٹ پریس کلب باڑہ میں ایک پریس کانفرنس کے دوران کیا۔ رہنماؤں نے کہا کہ تیراہ متاثرین کے لیے اعلان کردہ مالی معاونت، جس میں فی خاندان 2 لاکھ 50 ہزار روپے یکمشت امداد، ماہانہ 50 ہزار روپے مالی معاونت اور کرایہ کی مد میں ادائیگی شامل ہے، فوری طور پر فراہم کی جائے تاکہ متاثرہ خاندانوں کی مشکلات کا ازالہ ہو سکے۔ انہوں نے مزید کہا کہ 24 رکنی کمیٹی کے ذریعے طے پانے والے 37 نکاتی معاہدے پر مکمل اور مؤثر عملدرآمد یقینی بنایا جائے۔ ان کے مطابق معاہدے سے متعلق ذمہ داریاں چاہے صوبائی حکومت، وفاقی حکومت یا عسکری قیادت سے متعلق ہوں، تمام فریق اپنی ذمہ داریاں پوری کریں اور معاہدے کی روح کے مطابق عملی اقدامات اٹھائیں۔

(مسعود شاہ)

بدامنی کی وجہ سے شہری پریشان

نوشکی نوشکی میں بدامنی کی وجہ سے شہری پریشان ہیں۔ 15 جون کو جناح روڈ لنک ایم ٹی روڈ نزد نیشنل بینک عبدالرشید مینگل کے کپڑے کے دکان پر نقاب پوش موٹر سائیکل پر سوار دو نامعلوم مسلح افراد نے دکان میں داخل ہو کر طاؤس خان بادینی کو نشانہ بنایا جس سے وہ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے جاں بحق ہو گئے۔ قریب بیٹھے دکاندار مرتضی مینگل کو بھی دو گولیاں لگیں۔ انہیں ٹیچنگ ہسپتال میں طبی امداد کے بعد کوئٹہ ریفر کر دیا گیا۔ 17 جون کو امین الدین لنک روڈ پر واقع پارکنگ میں فائرنگ کے نتیجے میں محمد قاسم بادینی جاں بحق ہو گئے۔ 18 جون کو دن دھاڑے نوشکی کے کاروباری مرکز احمد وال اسٹاپ کے قریب موٹر سائیکل پر سوار نامعلوم مسلح افراد کی فائرنگ سے سی ٹی ڈی آفیسر ماما افضل محمد حسنی جان بحق ہو گئے۔ ان ناخوشگوار واقعات کی وجہ سے شہریوں میں عدم تحفظ کی وجہ سے شہری پریشان ہیں۔ بدامنی کے واقعات کی وجہ سے کاروبار بھی متاثر ہو رہا ہے۔ عوامی حلقوں نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ نوشکی میں امن امان کی صورتحال بہتر بنانے کیلئے اقدامات کرتے ہوئے شہریوں کو تحفظ کو یقینی بنائیں۔

(محمد سعید)

احمدی عبادت گاہ بیت اقصیٰ کے باہر سیکورٹی رضا کاروں کی گاڑی پر فائرنگ

چناب نگر 3 احمدی نوجوان شدید زخمی ہو گئے۔ 2 کی حالت نازک ہے۔ نامعلوم موٹر سائیکل سوار دہشت گرد فرار ہو گیا۔ ربوہ میں احمدیوں پر بڑھتے ہوئے حملے انتہائی تشویش ناک ہیں۔ ریاستی ادارے تحفظ فراہم کرتے ہوئے نفرت پر مبنی اشتعال انگیز مہم کو فوری رکوائیں۔: ترجمان جماعت احمدیہ 5 جون کو رات 9 بجے کے قریب ایک نامعلوم موٹر سائیکل سوار دہشت گرد نے جماعت احمدیہ کے مرکز ربوہ میں احمدی عبادت گاہ بیت اقصیٰ کے باہر سیکورٹی رضا کاروں کی گاڑی پر فائرنگ کر دی جس کے نتیجے میں 3 احمدی نوجوان شدید زخمی ہو گئے جن میں سے 2 کی حالت نازک ہے۔ تفصیلات کے مطابق، رضا کاروں کی گاڑی معمول کی حفاظتی ڈیوٹی پر بیت اقصیٰ کے باہر چوک میں موجود تھی کہ ایک نامعلوم موٹر سائیکل سوار دہشت گرد جس نے اپنا سر اور چہرہ کپڑے سے ڈھانپا ہوا تھا، نے گاڑی پر فائرنگ کر دی جس کے نتیجے میں 3 افراد زخمی ہو گئے۔ زخمیوں میں وقاص احمد عمر 23 سال، بلال احمد عمر 30 سال اور عبدالبجار عمر 39 سال شامل ہیں۔ زخمیوں کو فوری طور پر ہسپتال منتقل کیا گیا جہاں ڈاکٹرز نے فوری آپریشن کیا۔ شہریوں کی بڑی تعداد خون کے عطیات دینے ہسپتال پہنچی۔ عینی شاہدین کے مطابق موٹر سائیکل سوار دہشت گرد کالج روڈ کی جانب فرار ہو گیا۔ جماعت احمدیہ پاکستان کے ترجمان عامر محمود نے ربوہ میں ہونے والے دہشت گردی کے واقعے کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ گزشتہ چند ماہ میں ربوہ کے اندر یہ دوسرا دہشت گرد حملہ ہے جس کے نتیجے میں احمدی خود کو عدم تحفظ کا شکار محسوس کر رہے ہیں۔ واضح رہے کہ 10 اکتوبر 2025 کو جمعۃ المبارک کے روز احمدی عبادت گاہ بیت المہدی کے باہر فائرنگ کے نتیجہ میں 6 احمدی زخمی ہوئے تھے۔ ترجمان نے کہا کہ چند یوم قبل عیدالاضحیٰ کے موقع پر سیکورٹی اداروں نے تھریٹ الرٹ جاری کیا تھا کہ ربوہ میں دہشت گردی کی کارروائی کا خطرہ ہے۔ ترجمان نے کہا کہ پاکستان کے طول و عرض میں معصوم اور پرامن احمدیوں کے خلاف نفرت انگیز تقریر و تحریر مسلسل جاری ہے۔ جس میں عامۃ الناس کو اشتعال دلایا جاتا ہے کہ وہ احمدیوں کو نشانہ بنائیں۔ احمدیوں کے معاشی و سماجی بائیکاٹ کی مہم چلاتے ہوئے یکطرفہ منفی زہریلا پراپیگنڈہ کیا جاتا ہے اور جماعت احمدیہ کے عقائد کے متعلق من گھڑت باتیں کر کے بے بنیاد اور جھوٹے الزامات عائد کئے جاتے ہیں۔ ایسے فتوے موجود ہیں جن میں عوام کو ترغیب دی جاتی ہے کہ احمدیوں کو جہاں دیکھیں وہاں قتل کر دیں۔ احمدی ربوہ سمیت پاکستان میں کہیں بھی خود کو محفوظ تصور نہیں کرتے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ گذشتہ سال سرگودھا میں تین احمدیوں کو قتل اور ایک کو زخمی کرنے والا مجرم تاحال گرفتار نہیں کیا جا سکا۔ ترجمان نے مطالبہ کیا کہ نفرت پر مبنی مہم کو فوری طور پر رکوا کر ذمہ داران کو قانون کے کٹہرے میں لایا جائے اور پاکستان میں احمدیوں کے جان و مال کی حفاظت کے لیے موثر اقدامات کیے جائیں۔

(نامہ نگار)

کوئلہ کی غیر قانونی ذخیرہ اندوزی

خیبر تھانہ متنی کی حدود فرنٹیئر روڈ جانی خواڑ اور گردونواح میں عام آبادیوں کے درمیان غیر قانونی کوئلہ کی ذخیرہ اندوزی سے پورا علاقہ زہریلے گرد و غبار کی لپیٹ میں آ گیا ہے، جس سے مقامی شہریوں کو شدید مشکلات کا سامنا ہے۔ ان خیالات کا اظہار سماجی کارکن سعید خان نے میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے کیا۔ انہوں نے کہا کہ کوئلے کے ذخائر سے اٹھنے والا مضر صحت گرد و غبار نہ صرف ماحول کو آلودہ کر رہا ہے بلکہ فرنٹیئر روڈ پر سفر کرنے والے افراد کے لیے بھی خطرات پیدا کر رہا ہے۔ ان کے مطابق اگر فوری طور پر اس کا تدارک نہ کیا گیا تو سڑک پر حدِ نگاہ متاثر ہونے کے باعث ٹریفک حادثات اور ایکسیڈنٹس میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ سعید خان نے کہا کہ زہریلے گرد و غبار کے باعث مقامی آبادی مختلف بیماریوں، خصوصاً سانس، الرجی اور صحت کے دیگر مسائل کا شکار ہو رہی ہے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ اس حوالے سے شواہد اور حقائق کمشنر کے سامنے بھی پیش کیے جا چکے ہیں، تاہم تاحال کوئی مؤثر قانونی یا عملی اقدام نہیں اٹھایا گیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ مضر صحت گرد و غبار نے مقامی آبادی کی زندگی اجیرن بنا دی ہے اور حفظانِ صحت کے سنگین مسائل جنم لے رہے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ بعض عناصر اور مختلف اداروں کے ذریعے ان پر دباؤ ڈالا جا رہا ہے کہ وہ اس مسئلے پر آواز نہ اٹھائیں، تاہم وہ عوامی مفاد میں اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے۔ مقامی شہریوں نے ضلعی انتظامیہ، محکمہ ماحولیات اور دیگر متعلقہ اداروں سے مطالبہ کیا ہے کہ غیر قانونی کوئلہ سٹاک کے خلاف فوری کارروائی کی جائے اور عوام کو ماحولیاتی آلودگی، بیماریوں اور ممکنہ ٹریفک حادثات سے محفوظ بنایا جائے۔

(منظور آفریدی)

عورتیں

جنسی زیادتی کی کوشش

سانگھڑ 27 جون 1926 بروز ہفتہ ٹنڈو آدم کے گاؤں خیر وکلوئی کی رہائشی عاصمہ راجپوت زوجہ علی حسن راجپوت اپنے شوہر اور بیٹے کے ساتھ پریس کلب میں پہنچ کر بتایا کہ 4 افراد نے اس کے گھر میں داخل ہو کر اس کے ساتھ زیادتی کرنے کی کوشش کی۔ مزاحمت کرنے پر اس کے کپڑے پھاڑ دیں گئے۔ اس کے شور مچانے پر بھاگ گئے۔ اس کی حکام سے التجاء ہے کہ اسے انصاف مہیا کیا جائے۔

(ابراہیم خلجی)

شادی سے انکار پر قتل

عمر کوٹ تحصیل سامارو کی یونین کونسل آراڑو بھرگڑی کے گوٹھ غلام حسین کھوسو کی رہائشی 18 سالا نوجوان لڑکی اسماء بنت عبدالرحمان کھوسو کو اس کے ہی سگے چچا زاد بھائی و منگیتر 18 سالا نوجوان غلام رسول ولد غلام شبیر کھوسو نے شادی سے انکار کرنے پر کلہاڑی کے پے در پے وار کر کے شدید زخمی کر دیا۔ متاثرہ لڑکی کو علاج و معالجے کے لئے تعلقہ ہسپتال سامارو منتقل کیا گیا۔ جہاں ابتدائی طبی امداد کے بعد حالت شدید نازک ہونے کے باعث بہتر علاج و معالج کے لئے سول ہسپتال حیدرآباد منتقل کیا گیا۔ جہاں وہ زخموں کی تاب نہ لاتیہو ئے ہلاک ہوگئی۔ ہلاکت کے بعد نعش کو سول ہسپتال حیدرآباد سے تعلقہ ہسپتال سامارو منتقل کیا گیا جہاں پوسٹ مارٹم کے بعد نعش ورثا کے حوالے کی گئی۔ پولیس تھانہ سامارو نے مقتولہ لڑکی کے چچا الہچایو کھوسو کی فریاد پر ملزم غلام رسول کھوسو کے خلاف قتل کا کیس درج کر کے اسے گرفتار کر لیا اور واردات میں استعمال ہونے والی کلہاڑی بھی برآمد کر لی۔ فریادی نے کیس میں مؤقف اختیار کیا کہ اس کی بھتیجی اسماء کی منگنی اس کے بھتیجے غلام رسول سے ہونا تھی لیکن اسماء شادی سے انکاری تھی اس پر ملزم نے اسے قتل کر دیا۔ سامارو پولیس کا مؤقف: پولیس نے کیس درج کر کے نامزد ملزم کو گرفتا کر لیا اور واردات میں استعمال ہونے والا آلہ کلہاڑی بھی ہاتھ کر لی ہے۔ مزید باتفتیش جاری ہے۔ ایس پی عمر کوٹ کے مطابق خواتین کے خلاف جرائم، قتل و دیگر سنگین جرائم میں ملوث عناصر کے خلاف کے بلا امتیاز کارروائی کی جائے گی اور قانون کو ہاتھ میں لینے والوں کے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتی جائے گی۔

(نامہ نگار)

صنفی طور پر متعصب مصنوعی ذہانت کی خواتین سے بدسلوکی

مصنوعی ذہانت (اے آئی) لوگوں کے کام کرنے، باہمی رابطوں اور معلومات تک رسائی کے طریقے تبدیل کرنے کے ساتھ پرانے صنفی تعصّبات اور دقیانوسی تصورات کو بھی از سرِ نو زندہ کر رہی ہے جس کے نتیجے میں آن لائن بدسلوکی اور ہراسانی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ صنفی مساوات اور حقوق خواتین کے لیے اقوام متحدہ کے ادارے 'یواین ویمن' نے متنبہ کیا ہے کہ مصنوعی ذہانت کے 44 فیصد نظام صنفی تعصب کا مظاہرہ کرتے ہیں، جبکہ ایک چوتھائی سے زیادہ ایسے ہیں جن میں صنفی اور نسلی دونوں طرح کے تعصّبات پائے جاتے ہیں۔ اس ٹیکنالوجی کے بڑے نظام بار ہا خواتین کو گھر، خاندان اور بچوں کی دیکھ بھال سے جوڑتے ہیں جبکہ مردوں کو کاروبار، قیادت اور پیشہ وارانہ کامیابی سے منسلک کرتے ہیں۔ بعض صورتوں میں مصنوعی ذہانت نے خواتین کو جنسی شے یا مردوں کے ماتحت کردار کے طور پر بھی پیش کیا ہے۔ ان حالات میں یواین ویمن نے حکومتوں، کمپنیوں اور سافٹ ویئر تیار کرنے والوں پر زور دیا ہے کہ وہ مصنوعی ذہانت کے نظام کی تیاری، نفاذ اور انتظام میں صنفی مساوات کو بنیادی اہمیت دیں۔

صنفی اور نسلی تعصب

یواین ویمن کے مطابق، جب محققین نیمصنوعی ذہانت کے نمونوں (ماڈل) سے صرف ایک ایسا جملہ مکمل کرنے کو کہا جو کسی شخص کی جنس کے ذکر سے شروع ہوتا ہو تو تقریباً ہر پانچ میں سے ایک جواب صنفی امتیاز یا خواتین دشمنی پر مبنی تھا۔ بعض جوابات میں تو خواتین کو ملکیت یا محض اشیا کے طور پر بیان کیا گیا۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ یہ نتائج اتفاقی غلطیاں یا کوئی تکنیکی خرابی نہیں بلکہ ایک ایسا رجحان ہیں جو بڑے پیمانے پر مسلسل دیکھا گیا ہے۔ یواین ویمن کے مطابق، یہ دراصل مصنوعی ذہانت کی ٹیکنالوجی کا ایک متوقع نتیجہ ہے جسے ایسے مواد پر تربیت دی گئی ہے جس میں خواتین اور مردوں کی غیر مساوی نمائندگی موجود رہی ہے۔ ادارے میں شعبہ ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کی سربراہ جیاتھا وکرمانائکے نے یواین نیوز کو بتایا ہے کہ مصنوعی ذہانت کے نمونے اپنی معلومات ان بے شمار تحریروں سے حاصل کرتے ہیں جو انسانوں نے انسانوں کے بارے میں ایک ایسی دنیا میں لکھی ہیں جہاں خواتین کو گھر اور خاندان تک محدود سمجھا جاتا رہا جبکہ مردوں کو کاروبار اور پیشہ ورانہ کامیابی سے جوڑا جاتا رہا ہے۔

آن لائن تشدد اور ہراسانی

بہت سی خواتین اور لڑکیوں کے لیے مصنوعی ذہانت سے متعلق خطرات صرف دقیانوسی تصورات تک محدود نہیں۔ خواتین پہلے ہی آن لائن ہراسانی اور بدسلوکی کا غیر متناسب طور پر زیادہ سامنا کرتی ہیں اور مصنوعی ذہانت نے بعض اقسام کے تشدد کو تخلیق کرنا اور پھیلانا مزید آسان بنا دیا ہے۔ یواین ویمن کے ایک جائزے میں شامل انسانی حقوق کی محافظوں، سماجی کارکنوں یا صحافیوں میں سے ایک چوتھائی بتایا کہ وہ مصنوعی ذہانت کی مدد سے کیے جانے والے آن لائن تشدد یا ہراسانی کا شکار ہوئی ہیں۔ 12 فیصد خواتین نے کہا کہ ان کی ذاتی تصاویر ان کی اجازت کے بغیر شیئر کی گئیں جبکہ 6 فیصد نے بتایا کہ انہیں جعلی تصاویر یا ویڈیوز (ڈیپ فیک) کے ذریعے نشانہ بنایا گیا۔

فیصلہ سازی اور صنفی عدم مساوات

مصنوعی ذہانت تیار کرنے والی صنعتوں میں خواتین کی نمائندگی اب بھی بہت کم ہے جس سے یہ خدشہ بڑھ رہا ہے کہ اس ٹیکنالوجی کا مستقبل خواتین کے نقطہ نظر کو شامل کیے بغیر تشکیل دیا جا رہا ہے۔ عالمی ادارہ محنت (آئی ایل او) کے مطابق، اگرچہ مصنوعی ذہانت سے ٹیکنالوجی کے شعبوں میں ترقی کی توقع کی جا رہی ہے لیکن دنیا بھر میں اس سے متعلق شعبوں میں خواتین کا تناسب صرف 30 فیصد ہے۔

خواتین کے لیے معاشی نقصانات

ایسے شعبوں میں خواتین کی تعداد مردوں کے مقابلے میں تقریباً دوگنا زیادہ ہے جہاں خودکار نظام کی وجہ سے ملازمتوں کو زیادہ خطرات لاحق ہیں۔ ادارے کا کہنا ہے کہ نسل، معذوری، آمدنی اور جغرافیائی محل وقوع جیسے عوامل اس عدم مساوات کو مزید گہرا کر سکتے ہیں۔ یواین ویمن نے خبردار کیا ہے کہ اگر مخصوص اقدامات نہ کیے گئے تو مصنوعی ذہانت کے باعث بدلتی ہوئی معاشی صورتحال پہلے سے محروم طبقات کو مزید پیچھے دھکیل سکتی ہے۔

ذمہ دارانہ مصنوعی ذہانت

'یواین ویمن' کا کہنا ہے کہ، خواتین کے خلاف تعصب کا خاتمہ صرف انسانی حقوق کا مسئلہ نہیں بلکہ کاروباری اعتبار سے بھی فائدہ مند ہے۔ ادارے کی تحقیق کے مطابق، صنفی تعصّبات سے پاک اشتہارات کاروباری نتائج کو بہتر بناتے ہیں۔ جو ادارے جو اپنے مصنوعی ذہانت کے نظام میں شمولیت اور مساوات کو یقینی بنائیں گے وہ فائدے میں رہیں گے۔ تاہم یہ اس بات پر منحصر ہوگا کہ ایسے نظام کی تشکیل میں کون لوگ شامل ہیں اور ان کے ڈیزائن میں کن افراد کے تجربات اور نقطہ ہائے نظر کو جگہ دی جاتی ہے۔ ادارے نے مطالبہ کیا ہے کہ خواتین اور لڑکیوں کے حقوق، تجربات اور صنفی مساوات کو مصنوعی ذہانت کی تیاری، نفاذ اور انتظام سمیت ہر مرحلے میں شامل کیا جائے۔ آئندہ ماہ جنیوا میں جب حکومتیں، ٹیکنالوجی کمپنیاں اور بین الاقوامی ادارے مصنوعی ذہانت کے بہتر انتظام سے متعلق کانفرنس میں جمع ہوں گے تو یواین ویمن کا پیغام واضح ہوگا کہ اگر خواتین اور لڑکیوں کو مصنوعی ذہانت کے مستقبل کی تعمیر میں شامل نہ کیا گیا تو ماضی کی عدم مساوات نئی ٹیکنالوجی میں بھی منتقل ہو جائے گی۔ (بشکریہ یواین نیوز)

تعلیم

جمرود میں لائبریریوں سے کتابوں کی چوری اور توڑ پھوڑ، شہریوں کا اعلیٰ سطحی تحقیقات کا مطالبہ

خیبر جمرود میں نوجوانوں میں مطالعے کے فروغ اور علمی شعور بیدار کرنے کے لیے قائم کی گئی لائبریریوں سے کتابوں کی چوری اور توڑ پھوڑ کے واقعات پر مقامی حلقوں نے شدید تشویش کا اظہار کرتے ہوئے حکومت سے فوری نوٹس لینے اور ذمہ دار عناصر کے خلاف کارروائی کا مطالبہ کیا ہے۔ تفصیلات کے مطابق، حال ہی میں دلکش ہوٹل کے قریب نوجوانوں کی علمی وفکری رہنمائی کے لیے قائم کی گئی "شہید عثمان کاکڑ کتابتون" سے نامعلوم افراد نے کتابیں غائب کر دیں جبکہ لائبریری کے فرنیچر کو بھی نقصان پہنچایا۔ مقامی افراد کے مطابق اسی نوعیت کا ایک اور واقعہ چند روز قبل مسجد سے ملحقہ ایک لائبریری میں بھی پیش آیا، جہاں سے کتابیں اور دیگر سامان چوری کر لیا گیا۔ یاد رہے کہ اس سے قبل غار اوبہ کے مقام پر "شہید پولیس اہلکار مجیب باچا غوٹی کتابتون" بھی قائم کی گئی تھی، جسے عوامی اور سماجی حلقوں میں بھرپور پذیرائی حاصل ہوئی تھی۔ واقعے پر ردعمل دیتے ہوئے مقامی رہنماؤں اور سول سوسائٹی کے نمائندوں نے کہا کہ کتابیں کسی بھی معاشرے کی فکری ترقی، شعوری بیداری اور نوجوان نسل کی مثبت تربیت میں بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ نوجوانوں کی جانب سے علمی سرگرمیوں کے فروغ کے لیے کیے جانے والے اقدامات قابلِ ستائش ہیں، تاہم ایسے مراکز کو نقصان پہنچانا افسوسناک اور تشویشناک عمل ہے۔ انہوں نے کہا کہ لائبریریاں صرف کتابوں کا ذخیرہ نہیں بلکہ نوجوانوں کے روشن مستقبل اور فکری تعمیر کے مراکز ہیں، جن کا تحفظ معاشرے کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ مقامی شہریوں نے وزیراعلیٰ خیبر پختونخوا اور متعلقہ حکام سے مطالبہ کیا ہے کہ جمرود میں لائبریریوں سے کتابوں کی چوری اور توڑ پھوڑ کے واقعات کی اعلیٰ سطحی تحقیقات کرائی جائیں، ملوث عناصر کو قانون کے کٹہرے میں لایا جائے اور علاقے میں علمی وتعلیمی سرگرمیوں کے تحفظ کے لیے مؤثر اقدامات کیے جائیں۔

(مسعود شاہ)

حسن خیل: مڈل اور ہائی اسکول نہ ہونے سے سینکڑوں بچیاں تعلیم سے محروم

خیبر ضلع حسن خیل کے پسماندہ علاقوں موسہ درہ، پستو نے بوڑہ اور فریدی پنجی میں ترقی کے دعوے تو بہت کیے جاتے ہیں، مگر زمینی حقائق اس کے برعکس تصویر پیش کرتے ہیں۔ ٹوٹی پھوٹی سڑکیں، بنیادی سہولیات کی کمی اور تعلیمی اداروں کا فقدان آج بھی علاقے کے عوام کا مقدر بنا ہوا ہے۔ مقامی آبادی کے مطابق ان علاقوں میں بچیوں کی تعلیم کی صورتحال انتہائی تشویشناک ہے۔ بیشتر سرکاری اسکول صرف پرائمری سطح تک محدود ہیں جبکہ مڈل اور ہائی اسکول موجود نہیں۔ نتیجتاً سینکڑوں بچیاں پرائمری تعلیم مکمل کرنے کے بعد مزید تعلیم جاری رکھنے سے محروم ہو جاتی ہیں۔ علاقہ مکینوں کا کہنا ہے کہ موسہ درہ، پستو نے بوڑہ اور فریدی پنجی میں آج تک ایک بھی گرلز مڈل یا ہائی اسکول قائم نہیں کیا جا سکا۔ اگرچہ ترقی اور عوامی خدمت کے دعوے ہر انتخابی مہم کا حصہ ہوتے ہیں، لیکن عملی طور پر تعلیمی سہولیات کی فراہمی پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی۔ مقامی افراد کے مطابق بچیوں کی تعلیم سب سے زیادہ متاثر ہو رہی ہے کیونکہ پرائمری سطح کے بعد قریبی علاقوں میں مناسب تعلیمی ادارے موجود نہیں۔ اس وجہ سے اکثر طالبات تعلیم کا سلسلہ ترک کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں اور ان کے تعلیمی خواب ادھورے رہ جاتے ہیں۔ علاقے میں اساتذہ کی کمی بھی ایک سنگین مسئلہ ہے۔ عوام کا مطالبہ ہے کہ مقامی سطح پر بی اے اور ماسٹر ڈگری رکھنے والے اہل نوجوانوں کو بطور اساتذہ بھرتی کیا جائے تاکہ تعلیمی معیار بہتر ہو اور اسکولوں میں اساتذہ کی دستیابی یقینی بنائی جا سکے۔ مقامی لوگوں کا کہنا ہے کہ مقامی اساتذہ نہ صرف باقاعدگی سے فرائض انجام دے سکتے ہیں بلکہ طلبہ اور والدین کے ساتھ بہتر رابطہ بھی برقرار رکھ سکتے ہیں۔ علاقہ مکینوں نے یہ شکایت بھی کی کہ بعض دور دراز علاقوں سے تعینات اساتذہ کی حاضری ایک مستقل مسئلہ بنی ہوئی ہے۔ ان کے مطابق اسکولوں میں اساتذہ کے نام تو موجود ہیں، لیکن عملی طور پر ان کی حاضری بہت کم دیکھی جاتی ہے، جس سے تدریسی عمل شدید متاثر ہوتا ہے۔ مقامی افراد کا کہنا ہے کہ وہ برسوں سے اپنے مسائل کے حل کے لیے درخواستیں دیتے اور متعلقہ حکام سے رجوع کرتے آ رہے ہیں، مگر ان کی آواز مؤثر حلقوں تک نہیں پہنچ رہی۔ والدین پریشان ہیں، بچے بہتر مستقبل کے خواب دیکھ رہے ہیں، لیکن عملی اقدامات کا فقدان بدستور برقرار ہے۔ عوام نے منتخب نمائندوں اور متعلقہ حکام سے مطالبہ کیا ہے کہ سیاسی نعروں اور اعلانات کے بجائے عملی اقدامات کیے جائیں۔ موسہ درہ، پستو نے بوڑہ اور فریدی پنجی میں فوری طور پر مڈل اور ہائی اسکول قائم کیے جائیں، اساتذہ کی کمی دور کی جائے اور بچیوں کے لیے معیاری تعلیمی سہولیات فراہم کی جائیں تاکہ علاقے کی تعلیمی پسماندگی کا خاتمہ ممکن ہو سکے۔ علاقہ مکینوں کا کہنا ہے کہ انتخابی مہم کے دوران نمائندے ہر گاؤں، حجرے اور گھر کا راستہ جانتے ہیں، لیکن کامیابی کے بعد عوامی مسائل ان کی ترجیحات میں شامل نہیں رہتے۔ ان کے مطابق حسن خیل کے پسماندہ علاقوں کو بھی اسی بے توجہی کا سامنا ہے، جس کا خمیازہ نئی نسل کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔ مزید برآں، ضلع خیبر کی تحصیل باڑہ کے چھ لاکھ سے زیادہ آبادی کے لئے واحد گرلز ڈگری کالج ہے جہاں پر تین سو طالبات زیر تعلیم ہے۔ کم سہولیات اور سخت قبائلی روایات کے باجود بھی مقامی بچیاں تعلیم کے حصول میں مصروف ہیں۔ سندس فرسٹ ائیر پری میڈیکل میں پڑھ رہی ہے اور رکشے میں چھ کلومیٹر کا سفر طے کر کے پڑھائی کے لئے آتی ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ اُن کے اساتذہ کافی محنت اور لگن سے پڑھا رہی ہے لیکن کالج میں لیبارٹری نہ ہونے کی وجہ سے سائنس کے مضامین کو سمجھنا مشکل ہے جن کے قیام کے لئے حکومتی سطح پر اقدامات کی ضرورت ہے۔

مسعود شاہ)

ضلعی ٹیچنگ ہسپتال سہولیات سے محروم

نوشکی نوشکی کے ضلعی ٹیچنگ ہسپتال میں گزشتہ تین سال سے زائد عرصہ سے ڈینٹل ایکسرے مشین خراب ہے جس کی وجہ سے اس جدید ترقی یافتہ دور میں بھی نوشکی کے غریب باشندوں کو دانت میں معمولی تکلیف کی صورت میں ایکسرے کے لیے صوبائی دارالحکومت کوئٹہ کا رخ کرنا پڑتا ہے جس سے غریب مریضوں کو وقت کے ضیاع کے ساتھ مالی مصائب کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ میر گل خان نصیر ٹیچنگ ہسپتال کا ڈینٹل یونٹ 27 سال پرانا ہے جسکی وجہ سے تمام سرجری آلات ناکارہ ہو گئے ہیں۔ نوشکی کا شمار گرم ترین علاقوں میں ہوتا ہے۔ ڈینٹل یونٹ میں سولر سسٹم نہ ہونے کی وجہ سے طویل لوڈشیڈنگ کے باعث ڈاکٹروں اور مریضوں کو انتہائی مشکلات پیش آتی ہیں۔ جدید دور کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ڈینٹل یونٹ میں جدید آلات؛ سٹرلائزیشن مشین؛ اور سولر سسٹم کی تنصیب ترجیحی بنیادوں پر عمل میں لائی جائے۔ تین سال سے زائد عرصہ سے ڈینٹل ایکسرے مشین خراب ہے جو محکمہ صحت کے ارباب اختیار اور نوشکی کے منتخب عوامی نمائندوں کی کارکردگی پر سوالیہ نشان ہے۔

(محمد سعید)

بچے

بچی سے جنسی زیادتی کی کوشش

عمرکوٹ ... 3 جون کو سوشل میڈیا پر ایک وڈیو وائرل ہوئی جس میں بتایا گیا کہ ایک نجی ٹیوشن سینٹر کے مالک ممتاز بھٹی نے ایک طالبہ کے ساتھ جنسی زیادتی کی کوشش کی ہے۔ وڈیو سوشل میڈیا پر وائرل ہونے کے بعد ایس پی عمرکوٹ نے واقعے کا نوٹس لیا اور ان کی ہدایت پر پولیس نے کاروائی کرتے ہوئے ممتاز بھٹی کو حراست میں لے لیا۔ پولیس کے مطابق واقعے کی مختلف پہلوؤں سے تفتیش جاری ہے اور تفتیش مکمل ہونے کے بعد مزید قانونی کاروائی کی جائے گی۔ تفصیلات کے مطابق، عمرکوٹ شہر کے کھوسہ محلے کے رہائشی معشوق علی ولد محمد بخش کھوسو نے وومین پولیس تھانہ عمرکوٹ پر ایک نجی ٹیوشن سینٹر کے مالک ممتاز بھٹی کے خلاف مقدمہ درج کروایا کہ اس نے "میری چھوٹی بہن 12 سالا صائمہ کو جنسی زیادتی کا نشانہ بنانے کی کوشش کی ہے۔" معشوق علی نے الزام لگایا کہ وہ اور اس کی بہن ممتاز بھٹی کے ٹیوشن سینٹر پر ملازمت کرتے ہیں۔ 2 جون کو شام کے چھ بجے اس نے دیکھا کہ ملزم نجی ٹیوشن سینٹر کے اندر اس کی بہن کو جنسی تشدد کا نشانہ بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ممتاز بھٹی سوشل ویلفیئر محکمہ حکومت سندھ میں بطور چائلڈ پروٹیکشن افسر عمرکوٹ تعنیات ہے۔ مبینہ واقعے کے بعد محکمے کے سیکریٹری نے نوٹس لیتے ہوئے فوری طور پر اسے ملازمت سے معطل کردیا۔ ملزم ممتاز بھٹی نے اپنی بیوی عائشہ کے ہمراہ اپنے وڈیو بیان میں کہا کہ "ان کا گھر اور ٹیوشن سینٹر ساتھ ساتھ ہیں۔ سوشل میڈیا پر وائرل ہونے والی وڈیو مصنوعی ذہانت کے ذریعے تیار کی گئی ہے جو کہ اسے بدنام کرنے کی سازش ہے۔ اصل میں بچی اور اس کا بھائی دونوں ہمارے پاس ملازم ہیں۔ بچی صفائی ستھرائی کا کام کر رہی تھی۔ میں وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ جس کی وڈیو وائرل کرکے مجھ پر الزام لگا کر زیادتی کی کوشش کا جھوٹا کیس درج کیا گیا ہے۔ درحقیقت، میرے سینٹر سے پڑھنے والی لڑکیاں تعلیم یافتہ ہوکر کامیاب زندگی بسر کر رہی ہیں۔ سازش کرنے والے اصل میں لڑکیوں کی تعلیم کے دشمن ہیں۔ جبکہ ممتاز کی بیوی عائشہ نے الزام کو ذاتی دشمنی کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ "اصل میں فریادی معشوق کی شادی اپنی بہن صائمہ کے بدلے (وٹہ سٹہ) میں ہو رہی تھی۔ تو ہم نے کہا کہ بچی نابالغ ہے۔ ہم یہ شادی نہیں ہونے دیں گے۔ جس کے باعث معشوق کی شادی رک گئی۔" جس کی وجہ سے پورے خاندان والے ہمارے خلاف ہوگئے۔ ایک یہ شادی والا معاملہ اور دوسرا یہ کہ معشوق ایک بچے کی فیس کے پندرہ ہزار روپے لیکر بھاگ گیا تھا۔ انھوں نے مقدمے کی شفاف تفتیش کا مطالبہ کیا۔ پولیس نے ممتاز بھٹی کو عدالت میں پیش کرکے ریمانڈ حاصل کرلیا تھا۔

(نامہ نگار)

سوشل میڈیا پر پابندی کی بجائے اسے بچوں کے لیے محفوظ بنانے کا مشورہ

اقوام متحدہ کے دفتر برائے انسانی حقوق (او ایچ سی ایچ آر) نے قرار دیا ہے کہ بچوں کو سوشل میڈیا سے دور رکھنے کے بجائے اسے ان کے لیے محفوظ بنا کر زیادہ بہتر نتائج حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ ادارے نے آج ایک 10 نکاتی فریم ورک جاری کیا ہے جس میں حکومتوں اور ٹیکنالوجی کمپنیوں پر زور دیا گیا ہے کہ وہ بچوں کو آن لائن تحفظ فراہم کرنے کے لیے مزید موثر اور فوری اقدامات کریں۔ اقوام متحدہ کے ہائی کمشنر برائے انسانی حقوق وولکر ترک نے کہا ہے کہ ڈیجیٹل دنیا میں بچوں کو بہت سے خطرات کا سامنا ہے جن میں نجی اخفا (پرائیویسی) کی خلاف ورزی اور ایپلی کیشنز کا ایسا ڈیزائن بھی شامل ہیں جس کی بدولت نوعمر افراد کو ان کی لت لگ جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے مسائل کوئی ناگزیر حقیقت نہیں بلکہ تجارتی مفادات کے تحت کیے گئے شعوری فیصلوں کا نتیجہ ہیں۔ بچوں کی حفاظت، رازداری اور ذہنی و جسمانی صحت کو جن آن لائن خطرات کا سامنا ہے وہ ایسے ڈیزائن اور کاروباری طریقوں کی وجہ سے ہیں جو تحفظ کو کمزور کرتے ہیں۔ ان میں لامتناہی سکرولنگ، آٹو پلے اور مسلسل نوٹیفکیشنز جیسی چیزیں بھی شامل ہیں۔

ٹیکنالوجی کمپنیوں کی ذمہ داری

'او ایچ سی ایچ آر' کی جانب سے یہ 10 رہنما اصول ایسے وقت سامنے آئے ہیں جب دنیا بھر میں عمر کی بنیاد پر سوشل میڈیا پر پابندیوں کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ آسٹریلیا نے دسمبر 2025 میں 16 سال سے کم عمر بچوں کے لیے سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر پابندی عائد کردی تھی، جبکہ انڈونیشیا اور ملائشیا نے بھی اسی طرز کے اقدامات کیے۔ علاوہ ازیں درجن سے زیادہ دیگر ممالک بھی ایسی پابندیوں پر غور کر رہے ہیں۔ وولکر ترک نے خبردار کیا ہے کہ اس نوعیت کی پابندیوں کو با آسانی نظرانداز کیا جاسکتا ہے اور اس کے نتیجے میں بچے مزید غیر محفوظ اور کم نگرانی والے آن لائن پلیٹ فارمز کی طرف جاسکتے ہیں۔ لہٰذا، ان کی رسائی کو ایسی جگہوں تک رسائی محدود کردینا مسئلے کا مکمل حل نہیں ہوسکتا جو پہلے ہی غیر محفوظ ہیں۔ 'او ایچ سی ایچ آر' میں شعبہ موضوعاتی شمولیت اور خصوصی طریقہ ہائے کار کی ڈائریکٹر پیگی ہکس نے کہا ہے کہ اب ٹیکنالوجی کمپنیوں کے سامنے واضح انتخاب موجود ہے۔ وہ اپنے پلیٹ فارم کے ڈیزائن اور اسے چلانے کے طریقہ کار کو تبدیل کریں تاکہ بچوں کے حقوق اور حفاظت کو بہتر بنایا جاسکے، بصورت دیگر سخت قوانین اور بھاری جرمانوں کے ذریعے انہیں ایسا کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

لچکدار اور شواہد پر مبنی پالیسی

ادارے کے رہنما اصولوں میں زور دیا گیا ہے کہ تمام ذمہ داری والدین اور بچوں پر ڈالنے کے بجائے نوعمر افراد کے تحفظ کو ابتدا ہی سے ہر سوشل میڈیا پلیٹ فارم کے بنیادی ڈھانچے کا حصہ بنایا جائے۔ رہنمائی میں یہ سفارش بھی کی گئی ہے کہ بچوں کے حقوق پر سوشل میڈیا کے ممکنہ اثرات کا لازمی جائزہ لیا جائے، عمر کی تصدیق کے نظام کو سخت ضوابط کے تحت لایا جائے تاکہ نجی اخفا متاثر نہ ہو اور اس مسئلے پر قوانین یا پالیسی سازی کے دوران خود بچوں کی رائے کو بھی اہمیت دی جائے۔ پیگی ہکس نے زور دیا کہ تیزی سے بدلتی ڈیجیٹل دنیا خصوصاً مصنوعی ذہانت اور چیٹ بوٹس کے بڑھتے ہوئے استعمال کے پیش نظر لچکدار اور شواہد پر مبنی پالیسی سازی ناگزیر ہے۔ اس مسئلے پر قابو پانے کے لیے مسلسل شواہد جمع کرنا ہوں گے اور نتائج کے مطابق فوری طور پر حکمت عملی میں تبدیلی لانا ہوگی۔

(بشکریہ یو این خبرنامہ)

☆انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے واقعات کی رپورٹ

1-وقوعہ کیا تھا:							
2-وقوعہ کب ہوا؟	سال			مہینہ		تاریخ	
3-وقوعہ کہاں ہوا؟	گاؤں				محلّہ		
	ڈاک خانہ				تحصیل وضلع		
4- کیا وقوعہ کا مقامی رسم ورواج سے تعلق ہے	ہاں				نہیں		
5-وقوعہ کیسے ہوا؟(مختصر تفصیل)							
6-وقوعہ کا ماضی کے کسی دوسرے واقعہ سے تعلق اور اس کی مختصر تفصیل							

7-وقوعہ کا شکار ہونے والے کے کوائف	نام	ولد/زوجہ	پیشہ

8-وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے معاشی/سماجی حیثیت	بچہ/بچی	عورت/مرد	غریب/ان پڑھ	بوڑھا/بوڑھی	بیمار	
	مخالف سیاسی کارکن	سماجی کارکن	اقلیتی فرقے کارکن	دیگر(تخصیص کریں)		

9-وقوعہ میں ملوث اشخاص کے کوائف:	نام	ولدیت/زوجیت	عہدہ	پیشہ
	-1			
	-2			
	-3			

10-وقوعہ کے ذمہ دار فرد/افراد کی معاشی/سماجی حیثیت	بڑا جاگیردار/زمیندار/بہت امیر آدمی	متوسط طبقے سے/غریب آدمی	بااثر صلاحیت/سیاسی اثر ورسوخ	

11-وقوعہ کی پشت پناہی کرنے والے عناصر کے کوائف	نام اور ولدیت	عہدہ	پیشہ	پارٹی/ادارہ
	-1			
	-2			
	-3			

12-وقوعہ سے متعلقہ فریقین گواہان وغیر جانبدار افراد کے کوائف وموقف

وقوعہ سے تعلق	نام اور ولدیت	وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے ساتھ تعلق/رشتہ داری	عہدہ	موقف
واقعہ سے متاثر				
واقعہ کا ذمہ دار				
چشم دید گواہ				
غیر جانبدار/پڑوسی				

13-اس قسم کے واقعات علاقہ میں کس قدر ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں	بہت زیادہ	اکثر اوقات	کبھی کبھار	کبھی نہیں
14-اس قسم کے واقعات اندازاً کتنی تعداد میں ہوتے ہیں	روزانہ	ماہانہ	سالانہ	
15-وقوعہ کے بارے میں HRCP نامہ نگار/اس کے ساتھ چھان بین کرنے والے/والوں کی رائے				

رپورٹ بھیجنے والے کے کوائف:	نام	پتہ: گاؤں/محلّہ	شہر/ضلع

انسانی حقوق کے عالمی منشور کی کس شق کی خلاف ورزی ہوئی؟

دستخط: .....

تاریخ: .....

نوٹ: اگر تفصیلات فارم پر نہ آ سکیں تو نمبر لکھ کر سادے کاغذ پر تفصیل درج کریں

☆تمام ساتھی جو انسانی حقوق کے حوالے سے رپورٹیں بھیجتے ہیں آئندہ اس فارم کی فوٹو کاپی پر کوائف درج کر کے بھیجیں

Human Rights Commission of Pakistan
جہدِ حق
پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق جہدِ حق کے تمام قارئین کو آگاہ کرنا چاہتا ہے کہ
یہ رسالہ مفت ہے۔ قارئین کو کسی قسم کی قیمت ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے

انسانی حقوق کا عالمی منشور

10 دسمبر 1948ء کو اقوام عالم نے انسانی حقوق کا مندرجہ ذیل عالمی منشور منظور کیا

دفعہ - 1: تمام انسان آزاد اور حقوق و عزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔

دفعہ -2: ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قومیت، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اس کے علاوہ کسی بھی شخص کے ساتھ اس کے علاقے یا ملک کی، سیاسی، عملی یا بین الاقوامی حیثیت کی بناء پر کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا اقدار اعلی کے لحاظ سے کسی اور بندش کا پابند ہو۔

دفعہ - 3: ہر شخص کو اپنی آزادی، زندگی اور تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 4: کوئی شخص، غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو، ممنوع ہوگی۔

دفعہ - 5: کسی شخص کو جسمانی اذیت، یا ظالمانہ انسانیت سوز، یا ذلت آمیز سزا نہیں دی جائے گی۔

دفعہ - 6: ہر شخص کا حق ہے کہ ہر جگہ اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔

دفعہ - 7: قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حق دار ہیں۔ اس اعلان کی خلاف ورزی میں جو بھی تفریق کی جائے یا جس تفریق کی بھی ترغیب دی جائے، اس سے بچاؤ کے سب برابر کے حقدار ہیں۔

دفعہ - 8: ہر شخص کو ان فعال کے خلاف جو دستور یا قانون میں دیے ہوئے بنیادی حقوق کی نفی کرتے ہوں، با اختیار قومی عدالتوں سے موثر طریقے سے چارہ جوئی کرنے کا حق ہے۔

دفعہ - 9: کسی شخص کو من مانے طور پر گرفتار، نظر بند، یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 10: ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق و فرائض کے تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے فیصلے کے بارے میں اسے ایک آزاد اور غیر جانب دار عدالت میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا موقع ملے۔

دفعہ - 11: (1) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری الزام عاید کیا جائے، اس وقت تک بے گناہ شمار کیے جانے کا حق ہے جب تک کہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع اور تمام ضمانتیں نہ دی جا سکی ہوں۔

(2) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بناء پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی اسے کوئی ایسی سزا دی جائے گی جو جرم کے ارتکاب کے وقت کی مقرر کردہ سزا سے زائد ہو۔

دفعہ - 12: کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھر بار، خط و کتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کو ایسے حملے یا مداخلت سے قانونی تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 13: (1) ہر شخص کو اپنی ریاست کی حدود کے اندر نقل و حرکت کرنے اور کہیں بھی سکونت اختیار کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے اپنے ملک میں واپس آ جانے کا بھی حق ہے۔

دفعہ - 14: (1) ہر شخص کو عقیدے کی بنا پر ایذا رسانی سے بچنے کے لیے دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔

(2) یہ حق ان عدالتی کاروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں کیا جا سکتا جو خالصتاً غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف ہیں۔

دفعہ - 15: (1) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔

(2) کوئی شخص محض من مانے طور پر قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو اپنی قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار کیا جائے گا۔

دفعہ - 16: (1) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت، یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔

(2) نکاح فریقین کی پوری آزادی اور رضامندی سے ہوگا۔

(3) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حقدار ہے۔

دفعہ - 17: (1) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 18: ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب اور عقیدے کو تبدیل کرنے اور اجتماعی یا انفرادی طور پر خاموشی یا کھلے بندوں اپنے عقیدے کی تبلیغ، اس پر عمل، اور اس کی عبادات اور رسومات پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔

دفعہ - 19: ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اور بلا کسی قسم کی مداخلت کے اپنی رائے پر قائم رہے اور جس ذریعے سے چاہے اور ملکی سرحدوں کے حائل ہوئے بغیر معلومات اور خیالات کا حصول اور ان کی ترسیل کرے۔

دفعہ - 20: (1) ہر شخص کو پرامن طریقے سے ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

دفعہ - 21: (1) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔

(3) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مماثل کسی دوسرے آزادانہ طریقہ رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔

دفعہ - 22: معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو عملاً حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشوونما کے لیے لازم ہیں۔

دفعہ - 23: (1) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب و معقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔

(3) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب و معقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل و عیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جا سکے۔

(4) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لیے تجارتی انجمنیں، (ٹریڈ یونین) قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔

دفعہ - 24: ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے ساتھ مقررہ وقفوں پر تعطیلات میں شامل ہیں۔

دفعہ - 25: (1) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل و عیال کی صحت اور فلاح و بہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات، اور بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا اور ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہ قدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق شامل ہے۔

(2) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی کے بغیر پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد، معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔

دفعہ - 26: (1) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں مفت ہوگی۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔

(2) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشوونما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔

(3) والدین کو اس بات کے تصفیہ کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔

دفعہ - 27: (1) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، فنون لطیفہ سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔

(2) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفادات کا تحفظ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، فنی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں۔

دفعہ - 28: ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام کا حقدار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہو سکیں جو اس اعلان میں شامل ہیں۔

دفعہ - 29: (1) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں کیونکہ معاشرے میں رہ کر اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشوونما ممکن ہے۔

(2) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے اور ایک جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح و بہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کی گئی ہوں۔

(3) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف عمل میں نہیں لائی جا سکتیں۔

دفعہ - 30: اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جا سکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی نفی ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
"ایوان جمہور" 107۔ ٹیپو بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور
فون: 35838341-35864994 فیکس: 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ: www.hrcp-web.org
پرنٹر: مکتبہ جدید پریس، 14 ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15
کمپوز: جمال احمد سید رضا شاہ